سیرت

امام احمد بن حنبلؒ

عبدالرشید عراقی

مقدمہ: خالد سیف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد اپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

《اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں》

- نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ دین اسلام کو ہر دور میں ایسے اشخاص عطا فرماتا رہے گا
جو اس میں تجدید کی روح پھونکتے رہیں گے۔ (فرمانِ نبویؐ)

سیرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ
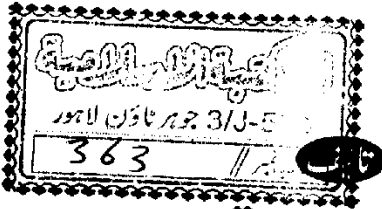
تالیف
عبدالرشید عراقی

مقدمہ
محمد خالد سیف

طارق اکیڈمی
ڈی گراونڈ، فیصل آباد۔ فون: 041-8546964-8715768

کتاب سے زیادہ مخلص دوست، موت سے بڑا واعظ اور تنہائی سے زیادہ بے ضرر ساتھی کوئی نہیں۔

- کتاب ———— سیرت امام احمد بن حنبلؒ
- مصنف ———— عبدالرشید عراقی
- اہتمام ———— محمد سرور طارق
- اشاعت ———— جولائی 2006ء

ناشر

TARIQ ACADEMY
D/Ground (samosa chok)
Faisalabad, PAKISTAN.
☎0092 41 8546964, 8715768
Fax:0092 41 8733350
E.mail: ilmoagahi74@yahoo.com

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

امام اہلِ سنت حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا شماران مجددینِ اسلام میں ہوتا ہے، جن کے بارے میں ایک مشہور حدیث میں یہ پیش گوئی کی گئی کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو ہر دور میں ایسے اشخاص عطا فرماتا رہے گا، جو اس دین میں تجدید کی روح پھونکتے رہیں گے۔ امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ کی ولادت باسعادت ماہِ ربیع الاوّل 164ھ میں بغداد میں ہوئی ،جبکہ دوسرے قول کے مطابق آپ رحمہ اللہ کی ولادت باسعادت مروؔ میں ہوئی تھی، البتہ شیرخوارگی کے زمانہ میں ہی آپ رحمہ اللہ کی والدہ ماجدہ آپ رحمہ اللہ کو بغداد لے آئی تھیں، آپ رحمہ اللہ کی ولادت سے پہلے ہی آپ رحمہ اللہ کے والدِ گرامی کا انتقال ہوگیا تھا، والدہ ماجدہ نے بڑی ہمت وحوصلہ مندی سے آپ رحمہ اللہ کی تربیت وپرورش کے فرائض سرانجام دیئے۔

بچپن ہی میں آپ رحمہ اللہ نے قرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت حاصل کرلی تھی۔ پھر عربی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ پھر ایک مدرسہ میں داخل ہوکر تحریر وانشاء کی مشق کی۔ ذہانت و فطانت کے آثار ابتداء عمر ہی سے نمایاں تھے۔ اوراس کے ساتھ ساتھ زُہد وتقویٰ اور عبادت و ریاضت کے آثار بھی بچپن ہی سے نمایاں تھے، جنہیں دیکھ کر ایک بزرگ ہیثم بن جمیل رحمہ اللہ نے کہا تھا کہ اگر یہ نوجوان زندہ رہا، تو اہل زمانہ پر حجت ہوگا۔ آپ رحمہ اللہ نے اپنے دور کے جلیل القدر محدثینؒ سے حدیث کا درس لیا۔

امام المحدثین امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تصانیف میں سے، جس کتاب کا چاردانگِ عالم میں شہرہ ہے، وہ "مسند" ہے۔ جس میں آپ رحمہ اللہ نے 30 ہزار احادیث کو جمع فرمایا ہے اور پھر بعد میں آپ رحمہ اللہ کے صاحبزادے عبداللہ رحمہ اللہ نے اس میں دس ہزار احادیث کا اضافہ کیا، اس طرح حدیثِ پاک کی یہ عظیم الشان کتاب 40 ہزار احادیثِ مبارکہ کا بے مثال مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ رحمہ اللہ کو بے پناہ اور غیر معمولی قوتِ حافظہ عطا فرمائی تھی، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ رحمہ اللہ کو 10 لاکھ احادیثِ مبارکہ زبانی یاد تھیں۔ اس وسعتِ علم اور کثرتِ حفظ کے باوجود آپؒ امام شافعی رحمہ اللہ کے تفقہ، حسنِ استنباط اور ذہانت وفطانت سے متاثر تھے اوراُن کے خاص تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے بغداد سے مصر کی طرف سفر تک آپ رحمہ اللہ اُن کے حلقہ درسِ سے وابستہ رہے۔ خود امام شافعی رحمہ اللہ آپ

رحمۃ اللہ علیہ کے اس قدر معترف اور قدر دان تھے کہ انہوں نے بغداد سے روانہ ہوتے وقت فرمایا:

خَرَجْتُ مِنْ بَغْدَادَ وَمَا خَلَّفْتُ بِهَا أَتْقٰى وَلَا أَفْقَهَ مِنَ ابْنِ حَنْبَلٍ.

''میں بغداد سے جا رہا ہوں، اس حال میں کہ یہاں اب احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کوئی متقی اور فقیہ نہیں ہے۔''

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس برس کی عمر میں حدیث کا درس دینا شروع کیا تو ابتداء ہی سے تشنگانِ علمِ حدیث اس قدر کثرت سے آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہونے لگے کہ بعض راویوں کے بقول ان کی تعداد پانچ ہزار تک پہنچ گئی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے درس کی مجلس بے حد پروقار اور سنجیدہ ہوا کرتی۔ وہاں کوئی ایسی حرکت نہیں کر سکتا تھا، جو حدیثِ پاک کے احترام کے منافی ہو۔ جن جلیل القدر محدثینؒ کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تلمذ کا شرف حاصل ہوا، ان میں امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام مسلم بن حجاج رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔ اس وجہ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دور کے تمام اہل دل اور اہل علم آپ کی عظمت کے قائل تھے اور آپ کا احترام کرتے تھے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو یوں تو اللہ جل شانہ نے علم و فضل کی رفعتوں اور بہت سے کمالات و اوصاف کی عظمتوں سے سرفراز فرمایا تھا، لیکن ان کی زندگی کا شائد سب سے بڑا کارنامہ فتنہ ''خلق قرآنِ'' میں بے نظیر ثابت قدمی اور بے مثال استقامت ہے، جس کی وجہ سے مسلمان ایک بہت بڑے دینی خطرہ سے محفوظ ہو گئے تھے۔ مسئلہ کی تفصیل کا مقدمہ متحمل نہیں ہو سکتا۔ مختصر طور پر یوں سمجھئے کہ خلق قرآن کا عقیدہ اس وقت معتزلہ کا شعار اور کفر و ایمان کا معیار بن گیا تھا۔ محدثین خصوصاً سرخیل محدثین امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں معتزلہ کے سامنے سینہ سپر ہو گئے، کیونکہ ''خلق قرآن'' کے عقیدہ کو اختیار کرنے سے قرآن مجید کی عظمت و جلالت اور اس کی لفظی و معنوی ہر اعتبار سے کلام الٰہی ہونے کا عقیدہ کمزور پڑ جاتا تھا، اس لیے محدثین اس عقیدہ کو غلط اور امت کے لیے مضر سمجھتے تھے۔ معتزلہ نے روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے تمام دعوؤں کے باوجود اس مسئلہ میں سخت غلو اور جبر و استبداد سے کام لیا اور اپنی ناعاقبت اندیشی سے سارے عالمِ اسلام کو میدان جنگ اور دار الامتحان بنا دیا اور اس وقت کے سار عالم اسلام کے سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے محدث امام عالی مقام امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو اس امتحان میں بڑی آزمائشوں اور صعوبتوں سے گزرنا پڑا۔ سوا دو سال تک انہیں جیل کی کال کوٹھڑی میں پابندِ سلاسل رکھا گیا۔ کوڑے ان کی پشت مبارک پر برسائے گئے۔ محمد بن اسماعیل

کہتے ہیں کہ امام احمد کو ایسے کوڑے لگائے گئے کہ ان میں سے ایک کوڑا ہاتھی کو لگایا جاتا تو وہ بھی چیخ مار کر بھاگ جاتا۔ امام عالی مقام کے ثبات واستقامت اور عزیمت کی اس ایمان افروز داستان کو یوں تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تمام سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے، لیکن امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اپنی غیر فانی کتاب ''تذکرہ'' میں اسے جس موثر اور بلیغ اسلوب وانداز میں بیان کیا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ چند سطریں آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

''ان کو قید کیا گیا، قید خانے میں چلے گئے، چار چار بوجھل بیڑیاں پاؤں میں ڈالی گئیں، پہن لیں، اسی عالم میں بغداد سے طرطوس چلے اور حکم دیا گیا کہ بلا کسی کی مدد کے خود ہی اونٹ پر سوار ہوں اور خود ہی اونٹ سے اتریں۔ اس کو بھی قبول کرلیا۔ بوجھل بیڑیوں کی وجہ سے ہل نہیں سکتے تھے، اٹھتے تھے اور گر پڑتے تھے، عین رمضان المبارک کے عشرہ اخیر میں، جس کی طاعت اللہ کو تمام دنوں کی طاعات سے زیادہ محبوب ہے، بھوکے پیاسے جلتی دھوپ میں بٹھائے گئے اور اس پیٹھ پر جو علم و معارف نبوت کی حامل تھی، لگاتار کوڑے اس طرح مارے گئے کہ ہر جلاد، دو ضربیں پوری قوت سے لگا کر پیچھے ہٹ جاتا اور پھر نیا تازہ دم جلاد اس کی جگہ لیتا، اس کو بھی خوشی خوشی برداشت کرلیا، مگر اللہ کے عشق سے منہ نہ موڑا اور راہ سنت سے منحرف نہ ہوئے۔ تازیانے کی ضرب پر جو صدا زبان سے نکلتی تھی، وہ نہ تو جزع وفزع کی تھی اور نہ شور وفغاں کی، بلکہ وہی تھی جس کے لیے یہ سب کچھ ہو رہا تھا: ''اَلْقُرْاٰنُ کَلَامُ اللّٰہِ غَیْرُ مَخْلُوْقٍ''! اللہ اللہ! یہ کیسی مقام دعوتِ کبریٰ کی خسروانی وسلطانی تھی اور وراثت ونیابتِ نبوت کی ہیبت وسطوت کہ خود معتصم باللہ جس کی ہیبت ورعب سے قیصر روم لرزاں وترساں رہتا تھا، سر پر کھڑا تھا، جلادوں کا مجمع چاروں طرف سے گھیرے ہوئے اور وہ بار بار کہہ رہا تھا:

یَا أَحْمَدُ! وَاللّٰہِ اِنِّیْ عَلَیْکَ لَشَفِیْقٌ وَاِنِّیْ لَاُشْفِقُ عَلَیْکَ کَشَفْقَتِیْ عَلٰی ھَارُوْنَ ابْنِیْ وَوَاللّٰہِ لَئِنْ اَجَبْتَنِیْ لَاُطَلِّقَنَّ عَنْکَ

بِيَدِيْ. مَاتَقُوْلُ؟

"واللہ! میں تم پر اس سے بھی زیادہ شفقت رکھتا ہوں، جس قدر اپنے بیٹے کے لیے شفیق ہوں، اگر تم خلق قرآن کا اقرار کرلو، تو قسم اللہ کی، ابھی اپنے ہاتھوں سے تمہاری بیڑیاں کھول دوں۔

لیکن اس پیکرِ حق، اس مجسمہ سُنت، اس مؤید بالروح القدس، اس صابرِ اعظم كَمَا صَبَرَ أُوْلُوْالْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ کی زبانِ صدق سے صرف یہی جواب نکلتا تھا:

اَعْطُوْنِیْ شَيْئًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ اَوْسُنَّةِ رَسُوْلِهٖ حَتّٰى اَقُوْلَ بِهٖ

"اللہ کی کتاب میں سے کچھ دکھلا دو، یا اس کے بارے رسول اللہ ﷺ کا کوئی قول پیش کر دو، تو میں اقرار کر لوں گا، اس کے سوا کچھ نہیں جانتا۔" (تذکرہ، صفحہ 138-139)

اس عزیمت و استقامت کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں آپؒ کی اس قدر محبت بھر دی کہ جب 241ھ میں آپؒ کا انتقال ہوا، تو آپؒ کی نماز جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد کا اندازہ، آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتیں اور ہزاروں غیر مسلم صرف جنازہ کا یہ منظر دیکھ کر مسلمان ہو گئے تھے۔ رحمه الله تعالىٰ رحمة واسعة!

بے حد اختصار سے کام لینے کے باوجود یہ سطور طویل ہو گئی ہیں، امید ہے امام عالی مقام کی حیات طیبہ سے متعلق تمام تفصیلات آپ کو اس کتاب ...... سیرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ...... میں پڑھنے کو ملیں گی، جو ہمارے فاضل دوست اور جماعت کے مشہور قلمکار جناب عبدالرشید عراقی کی تازہ ترین تالیف ہے، جو رجال و شخصیات پر لکھنے کا ایک خاص اسلوب رکھتے ہیں۔ طارق اکیڈمی، امام عالی مقام، امام اہل سنت، احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی سیرت و سوانح کے موضوع پر اپنے قارئین کرام کی خدمت میں یہ کتاب اس لیے پیش کر رہی ہے تاکہ ہم بھی فتنوں کے اس دور میں کسی نام نہاد روشن خیالی کا شکار نہ ہوں، بلکہ اپنے اسلاف کرام کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے عزیمت و استقامت کی راہ کو اختیار کریں۔ واللہ الموفق!

محمد خالد سیف

اسلام آباد

8 جون 2006ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

تاریخ واخبار کا فن گو اسلام سے پہلے موجود تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی اصلی شان اسلام کے نور سے چمکی ہے۔ مسلمانوں میں اس کا آغاز خود ان کے رسول ﷺ اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے مجاہدانہ علمی کارناموں سے ہوا۔ روایات پیدا ہوئیں اور ان سے راویوں کا علم وجود میں آیا۔ مسلمان جس ملک میں گئے' اس میں علم کی روشنی لے کر گئے۔ اس کی برکت سے دنیا کے تاریک گوشے چمک اٹھے۔

علمائے اسلام نے اُسماء الرجال کا فن ایجاد کر کے دنیا میں جو مرتبہ ومقام حاصل کیا اس کی تعریف وتوصیف مغربی مستشرقین نے بھی کی ہے۔ مشہور جرمن ڈاکٹر سپرنگر جو ۱۸۵۴ء اور اس کے بعد تک ہندوستان کے علمی وتعلیمی صیغہ سے متعلق تھے اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے سیکرٹری تھے اور ان کے عہد میں خود ان کی محنت سے واقدی کی مغازی، وان کریمر کی زیرِ ادارت میں ۱۸۵۶ء میں طبع ہوئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات میں حافظ ابن حجر کی ''اصابہ فی احوال الصحابہ رضی اللہ عنہم'' طبع ہوئی۔ اور جنہوں نے (جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ پہلے یورپین شخص ہیں۔ جس نے خاص ابتدائی عربی ماخذوں سے) ''لائف آف محمدﷺ'' لکھی ہے۔ اور مخالفانہ لکھی ہے وہ بھی اصابہ کے انگریزی مقدمہ مطبوعہ کلکتہ میں ۱۸۵۲ء - ۱۸۶۱ء لکھتے ہیں۔

''کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری' نہ آج موجود ہے۔ جس نے مسلمانوں کی طرح ''اسماء الرجال'' کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص کا حال معلوم ہو سکتا ہے''۔

قرنِ اول سے لے کر اپنے اقبال کے آخر دور تک مسلمانوں نے اپنی ہر صدی تک کے ممتاز اکابر رجالِ سیر واخبار کا ایسا دفتر زمانہ میں چھوڑا' کہ قومیں ان کی مثال سے عاجز ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم تھا اور اس امت کی اقبال مندی کہ دینِ اسلام کی نشر و اشاعت، کتاب و سنت کی نصرت و حمایت کے لئے ایسے لوگ میدان میں آئے جو اپنی ذہانت، دیانت، عدالت، ثقاہت، اخلاص اور علم میں تاریخ کے ممتاز ترین افراد تھے۔ پھر ان میں چار شخصیتیں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ (م ۱۵۰ھ) امام مالک رحمہ اللہ (م ۱۷۹ھ) امام شافعی رحمہ اللہ (م ۲۰۴ھ) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (م ۲۴۱ھ) جو فقہ کے چار دبستانِ فکر کے امام ہیں اور جن کی فقہ اس وقت عالمِ اسلام میں زندہ اور مقبول ہے۔ اپنے تعلق باللہ، للّٰہیت، قانونی فہم، علمی و دینی انہماک اور جذبۂ خدمت میں خاص طور پر ممتاز ہیں۔ ان حضرات نے اپنی پوری زندگی اور اپنی ساری قابلیتیں اس بلند اور اہم مقصد کے لئے وقف کر دی تھیں۔ انہوں نے دنیا کے کسی جاہ و اعزاز اور کسی لذت و راحت سے سروکار نہیں رکھا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو دو بار عہدہ قضا پیش کیا گیا اور انہوں نے انکار کیا' یہاں تک کہ قید خانہ ہی میں آپؒ کا انتقال ہوا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے ایک مسئلہ (جبری طلاق) کے اظہار میں کوڑے کھائے اور ان کے شانے اتر گئے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے زندگی کا بڑا حصہ عسرت میں گزارا اور اپنی صحت قربان کر دی اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے تنِ تنہا حکومتِ وقت کے رجحان اور اس کے سرکاری مسلک (خلقِ قرآن) کا مقابلہ کیا اور اپنے مسلک اور اہلِ سنت کے طریقہ پر پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے موضوع پر تنِ تنہا اتنا کام کیا اور مسائل اور تحقیقات کا اتنا بڑا ذخیرہ پیدا کر دیا۔ جو بڑی بڑی منظم جماعتیں اور علمی ادارے بھی آسانی سے نہیں کر سکتے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ۸۳ ہزار مسائل اپنی زبان سے بیان کئے ہیں' جن میں ۳۸ ہزار عبادت سے تعلق رکھتے ہیں اور ۴۵ ہزار معاملات سے۔ شمس الائمہ کردی نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جس قدر مسائل مدوّن کئے' ان کی تعداد ۶ لاکھ ہے۔ ''المدونہ'' جو امام مالک رحمہ اللہ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے ۳۶ ہزار مسائل پر مشتمل

ہے۔ ''کتاب الام'' جو امام شافعی رحمہ اللہ کے افادات کا مجموعہ ہے' سات ضخیم جلدوں میں ہے۔ ابو بکر خلال رحمہ اللہ (م ۳۱۱ھ) نے امام احمد رحمہ اللہ کے مسائل ۴۰ جلدوں میں جمع کیئے۔ اس کتاب کا نام ''الجامع العلوم الامام احمد رحمہ اللہ'' ہے۔

ائمہ اربعہ رحمہ اللہ کے حالات پر عالمِ اسلام کے علماء نے بھی ضخیم کتابیں لکھیں۔ علامہ محمد ابوزہرہ پروفیسر لا کالج فواد یونیورسٹی قاہرہ (مصر) نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے حالات زندگی اور ان کے علمی کارناموں پر ضخیم کتابیں تصنیف کیں۔ ان چاروں کتابوں کے اردو میں تراجم ہو چکے ہیں اور مطبوع ہیں۔

برصغیر (پاک و ہند) میں بھی علمائے کرام نے ائمہ اربعہ رحمہ اللہ کے حالات پر کتابیں مرتب فرمائیں جن کی کچھ تفصیل اس طرح ہے۔

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ (م ۱۹۱۴ء) نے ''سیرۃ النعمان'' امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے حالات میں لکھی۔ جو ۱۸۹۱ء میں شائع ہوئی۔

مولانا نجم الدین سیوہاروی رحمہ اللہ نے ''سیرۃ الشافعی'' کے نام سے کتاب لکھی جو ۱۸۹۹ء میں دار الاشاعت پنجاب لاہور نے شائع کی۔ صفحات کی تعداد ۲۳۸ ہے۔

علامہ سید سلمان ندوی رحمہ اللہ (م ۱۹۵۳ء) نے امام مالک رحمہ اللہ پر ایک طویل مضمون لکھا' جو ماہنامہ ''الندوہ'' لکھنو میں جولائی ۱۹۰۶ء میں شائع ہوا۔ بعد میں سید صاحب مرحوم نے اس میں اضافہ کیا جسے کتابی صورت میں ''حیات امام مالک رحمہ اللہ'' کے نام سے ۱۹۱۸ء میں دار المصنفین اعظم گڑھ نے شائع کیا۔ علمائے اہلحدیث نے بھی ائمہ اربعہ رحمہ اللہ کے حالات پر فارسی اور اردو میں کتابیں تصنیف کیں۔

محی السنۃ والاجاہی امیر الملک مولانا سید نواب صدیق حسن خان قنوجی رئیس بھوپال (م ۱۳۰۷ھ) نے فارسی میں ''جلب المنفعة فی الذب عن الائمة المجتهدين الاربعة'' کے نام سے کتاب لکھی جو ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۳ء میں مفید عام

پریس آگرہ سے شائع ہوئی۔ صفحات کی تعداد ۱۱۲ ہے۔ مولانا الٰہی بخش براکڑی رحمہ اللہ (م ۱۳۴۴ھ) نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے حالات پر "سوط الرحمان علی حامد النعمان" کے نام سے کتاب لکھی۔ جو ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء میں احسن المطابع پٹنہ سے شائع ہوئی۔ صفحات کی تعداد ۴۶ ہے۔

مولانا محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ جونا گڑھی (م ۱۹۴۱ء) نے "امام محمدی" کے نام سے کتاب لکھی۔ یہ کتاب خطیب بغدادی کی کتاب "تاریخ بغداد" سے ماخوذ ہے۔ اس کتاب میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے حالات زندگی اور ان کی دینی خدمات کا تذکرہ ہے۔ صفحات ۱۵۲، جید برقی پریس دہلی سے ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی۔

مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی رحمہ اللہ (م ۱۳۶۹ھ) نے ائمہ اربعہ رحمہ اللہ کے حالات اور ان کی دینی خدمات پر اردو میں "اجتلاب المنفعة لمن یطالع احوال الائمة الاربعه" کے نام سے ۲۴ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ مرتب فرمایا جو آزاد پریس دہلی سے طبع ہو کر شائع ہوا۔ (سن اشاعت ندارد)

مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ (م ۱۹۵۸ء) نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی سیرت قلمبند کی تھی۔ اس کا ذکر آپؒ نے اپنی کتاب تذکرہ صفحہ ۱۸۶، ۱۸۷ اور ۱۷۷ پر کیا ہے۔ لیکن یہ کتاب طباعت کے مراحل سے نہیں گزری۔ مولانا عبدالمجید سوہدروی رحمہ اللہ (م ۱۹۵۹ء) نے "سیرۃ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ" لکھی صفحات کی تعداد ۳۲ ہے (سن اشاعت ندارد)

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ (م ۱۹۵۶ء) نے "امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سیاسی زندگی" کے نام سے ایک ضخیم کتاب تصنیف کی جو نفیس اکیڈمی کراچی نے شائع کی۔

مولانا حبیب الرحمان خان شروانی رحمہ اللہ (م ۱۹۵۰ء) نے "امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے ناقدین" کے نام سے کتاب لکھی۔ جو نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی نے شائع کی۔ صفحات کی تعداد ۱۸۳ ہے۔ (سن اشاعت ندارد)۔

رئیس احمد جعفری نے "سیرت ائمہ اربعہ" لکھی جو ۱۹۵۵ء میں شیخ غلام علی

اینڈ سنز لاہور نے شائع کی۔ مولانا قاضی اطہر مبارکپوری رحمہ اللہ نے بھی ''سیرت ائمہ اربعہ'' لکھی جو ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۸ء میں شیخ الہند اکیڈمی دیو بند سے شائع ہوئی (صفحات ۲۵۶) مولانا عبدالقیوم حقانی رحمہ اللہ سرپرست القاسم اکیڈمی خالق آباد نوشہرہ کے قلم سے دو کتابیں بنام ''دفاع امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ '' (صفحات ۳۵۲) اور ''امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا نظریہ انقلاب وسیاست'' (صفحات ۲۴) شائع ہو چکی ہیں۔

مولانا محمد علی کاندھلوی مرحوم رحمہ اللہ نے بھی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے حالات پر ایک کتاب لکھی جو دارالعلوم شہابیہ سیالکوٹ نے شائع کی۔

راقم کے قلم سے ''سیرت ائمہ اربعہ رحمہ اللہ '' کے نام سے ۴۸ صفحات پر ایک رسالہ جامعہ ابراہیمیہ سیالکوٹ نے جون ۱۹۹۱ء میں شائع کیا...... راقم نے اپنی اس کتاب میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے حالات زندگی، اساتذہ وتلامذہ کا تذکرہ، ان کے دور ابتلاء کی تفصیل، تصانیف اور ان کی مشہور کتاب مسند احمد بن حنبل کا تعارف اور فقہ حنبلی کے مختلف پہلوؤں پر مختصراً اظہار خیال کیا ہے۔

راقم ملک عبدالعزیز فاروق ایم اے سابق ڈائریکٹر محکمہ آثار قدیمہ حکومت پاکستان کا ممنون ہے کہ انہوں نے ایک جامع وعلمی اور تحقیقی مقدمہ لکھ کر کتاب کی افادیت میں اضافہ کیا ہے اور راقم پروفیسر حافظ عبدالستار حامد جامعہ توحیدیہ اہلحدیث وزیر آباد کا بھی ممنون ہے جنہوں نے کتاب کا تعارف لکھ کر میری حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور دوام بخشے۔ اس ناچیز کی لغزشوں وکوتاہیوں کو اپنے فضل وکرم سے معاف فرمائے۔

راقم مولانا محمد خالد سیف صاحب اور محمد سرور طارق صاحب کا بھی شکر گزار ہے جن کے اہتمام سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

عبدالرشید عراقی

سوہدرہ۔ ضلع گوجرانوالہ

۱۲ مئی ۲۰۰۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

عبدالعزیز فاروق (ایم اے)

اُموی عمال کے جبر و استبداد، یمنی اور حضرمی قبائل کی باہمی منافرت، سیاسی بدظنی، مفتوح اقوام سے ناروا سلوک، شیعانِ علی اور خوارج جیسی مخالف تحریکوں نے خلافتِ عباسیہ کے لئے راہ ہموار کردی۔

یزید اول کے دور حکومت میں کربلا کا خونی سانحہ اور حرمین شریفین کی بے حرمتی جیسے اہم واقعات پیش آئے۔ یزید ثانی نے آل مہلب کو قبائلی تعصب کی بنا پر عتاب کا نشانہ بنایا۔ پھر سیاسی بدنظمی اور اراکینِ سلطنت کے ساتھ خلفاء کی بدسلوکی سے امراء میں بددلی پھیل گئی۔ سلیمان بن عبدالملک کے عہدِ خلافت میں حجاج بن یوسف ثقفی کے رشتہ داروں اور عاملوں کو سخت ایذائیں اور تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ محمد بن قاسم رحمہ اللہ فاتح سندھ کو قتل کر دیا گیا۔ فاتح اسپین موسیٰ بن نصیر کو معتوب کر کے ذلیل و خوار کیا گیا اور اس کے بیٹے عبدالعزیز بن موسیٰ کو (اس وقت اندلس کے والی تھے) باپ کے گناہوں کی پاداش میں ابدی نیند سلا دیا گیا۔

موسیٰ بن نصیر جیسا اولوالعزم، جری، شجاعت کا پیکر اور بہادر جرنیل سلیمان بن عبدالملک کے عتاب کا شکار ہوا۔ ولید ثانی اپنے باپ یزید بن عبدالملک سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ گیا۔ اس نے خالد بن عبداللہ قسری جو عراق کا پندرہ سال تک عامل رہا معزول کر کے اس کے دشمن یوسف بن عمر ثقفی کو پانچ کروڑ روپے میں فروخت کر دیا۔ یوسف نے اس کو اذیتیں دے کر قتل کر دیا۔

شیعانِ علی اور خوارج کا مسلک جداگانہ تھا۔ مگر بنوامیہ کی مخالفت دونوں میں مشترک تھی۔ عبداللہ بن زیاد نے میدانِ کربلا میں حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو شہید نہیں کیا بلکہ بنوامیہ کی موت کا صور پھونک دیا۔

اس سانحہ کے بعد مسلمان رعایا کی تمام تر ہمدردیاں اہلِ بیت سے ہو گئیں۔ خوارج کے سیاسی خیالات میں اہلِ بیت کے ساتھ کوئی تطبیق نہ تھی، مگر بغضِ معاویہ میں وہ بھی شیعانِ علی کے ہمنوا تھے۔ بنو امیہ کے پورے دور میں وہ حکومت سے ٹکراتے رہے۔ آخری اُموی خلیفہ کی ہزیمت کا اصل سبب بھی خوارج تھے۔ ابو مسلم نے یمنی اور حضرمی قبائل کی باہمی آویزش سے بھرپور عسکری فائدہ اٹھایا اور جب اُموی گورنر نصر بن سیار پکار رہا تھا کہ

''مجھے معلوم نہیں کہ آیا بنی امیہ جاگتے ہیں یا سوتے ہیں''۔

اس وقت مروان' خارجی سردار ضحاک بن قیس الحروری سے نبرد آزما تھا۔ مروان نے اس کو ختم کیا' تو خارجی خیبری کی امامت کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور اُمویوں کے خلاف خم ٹھونک کر ڈٹ گئے۔ خیبری کے بعد شیبانی نے قیادت سنبھالی جس کی وجہ سے مروان' ان جنگوں میں، اپنی اصل عسکری قوت کھو بیٹھا اور عباسیوں کے فاتحانہ ولولوں کے سامنے مروان الملقب بہ حمار ۱۳۲ھ میں دریائے زاب کے ساحل پر شکست کھا کر بصرہ کی جانب بھاگ گیا۔ عبدالرحمان بن علی کے بھائی صالح اور ابو عون نے تعاقب جاری رکھا اور مروان کو آخری معرکہ میں قتل کر کے' بنو امیہ کی حکومت کا چراغ گل کر دیا۔

سفاح نے ۱۳۲ھ میں علم دوست عباسی حکومت قائم کی' جس کے زمانے میں علوم و فنون اپنے عروج کو پہنچا۔ تفسیر، حدیث، سیرت و مغازی اور تاریخ و طب کے علمی کارنامے عباسی عہد کی یادگاریں ہیں۔ مختلف قوموں کے میل جول اور خصوصاً عجمیوں کے اثر نے تہذیب و تمدن اور معاشرت میں عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا۔ ان کا پایہ تخت ''مدینۃ الاسلام'' بغداد تھا' جن کو دوسرے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے آباد کیا تھا۔

بغداد کی تعمیر کے بارے میں مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اس کی تعمیر کے لئے منصور نے بڑا اہتمام کیا اور بڑے بڑے

ماہرین نے شہر کا نقشہ بنایا اور اس کی تعمیر کے لئے دنیا کے مختلف حصوں سے معمار، سنگ تراش، نجار اور نقاش وغیرہ ہر صنف کے صناع و کاریگر جمع کیے گئے۔

شہر کا نقشہ دائرہ نما تھا۔ درمیان میں منصور کا محل ''قصر الخلد'' تھا۔ اس کے بعد حکومت کے دفاتر کی عمارتیں اور عمائد و ارکانِ سلطنت اور امراء کے محلات تھے۔ آخر میں عام آبادی اور بازار و باغات تھے۔

شہر کے گرد ۳۵ ہزار دوہری سنگین شہر پناہ اور اس کے بعد وسیع خندق تھی۔ بیرونی اور اندرونی دونوں فصیلوں کے چار سمت بڑے بڑے پھاٹک ''باب الکوفہ''، ''باب الشام''، ''باب البصرۃ'' اور ''باب الخراسان'' تھے۔ پھاٹکوں کے اوپر اونچے اونچے برج تھے''۔

تاریخ الخلفاء (سیوطیؒ) کے مطابق منصور کے زمانہ میں تفسیر و حدیث، فقہ اور مغازی و سیرت کی تالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ کو ان کے شاگردوں نے مدوّن کیا، امام مالک رحمہ اللہ نے حدیث کی مشہور کتاب ''مؤطا'' مرتب فرمائی۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے مغازی پر توجہ کی۔ ان کے علاوہ ابنِ عروبہ رحمہ اللہ اور حماد بن سلمہ رحمہ اللہ نے بصرہ میں، معمر بن ارشد رحمہ اللہ نے یمن میں، سفیان ثوری رحمہ اللہ نے کوفہ میں اور امام ہشیم رحمہ اللہ، لیث بن سعد رحمہ اللہ، عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور ابن وہیب رحمہ اللہ وغیرہم محدثین اور فقہا نے اپنی اپنی جگہ پر حدیث و فقہ کی تدوین میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

ابو جعفر منصور کے بعد مہدی نے الحاد و زندقہ کے تدارک کے لئے مناظرانہ کتابیں لکھوائیں۔ جس سے علمِ کلام کی بنیاد پڑی' جو مسلمانوں کا عظیم کارنامہ ہے۔ علمِ کلام کے علاوہ ''معصل ذبی'' نے ''امثالِ ایام عرب'' پر ایک عمدہ کتاب تصنیف کی۔

اسی علمی وادبی زمانہ میں امام احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ کی ''مدینۃ الاسلام'' بغداد میں ولادت ہوئی۔ آپؒ عربی النسل اور نجیب الطرفین شیبانی ہیں۔ یہ قبیلہ اپنی دلیری، شجاعت، بہادری، حمیت اور غیرت کے اعتبار سے خاص طور پر ممتاز رہا ہے۔ عہدِ صدیقی میں ان کے قبیلے کے ایک عظیم فرزند مثنیٰ بن حارثہ رحمہ اللہ نے اپنے دو بھائیوں معنیٰ اور مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ حیرہ سے بابل کے کھنڈرات تک ہرمز جو ایرانی افواج کا سپہ سالار تھا کے مقابلے کو آئے۔ ایرانی فوج کو شکست فاش دے کر مدائن کے دروازوں تک ان کا تعاقب کیا۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نانا کا شمار بنو شیبان کے سرداروں اور سربرآوردہ اصحاب میں ہوتا تھا۔ وہ کریم النفس، جودوسخا کے پیکر اور فراخ حوصلہ انسان تھے۔ وہ عرب قبائل کی میزبانی نہایت خندہ پیشانی سے کرتے۔

اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ کے دادا' عہد اُموی میں سرخس کے گورنر تھے۔ آپؒ کے والد محمد بن حنبل رحمہ اللہ ہمیشہ مجاہدوں کے لباس میں ملبوس رہتے اور اسی جذبہ و جہاد و پیکار میں عالمِ جاودانی کو سدھارے۔ یہ ان پاک نفوس کی علمی تربیت کا نتیجہ تھا' کہ امام احمد رحمہ اللہ پر آفات ومصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے مگر ان کے پائے اثبات میں لغزش نہ آئی۔

پروفیسر محمد ابو زہرہ کے الفاظ میں

> مامون الرشید نے انہیں قید و بند کی مصیبتوں میں مبتلا کیا۔ وہ زندان خانے کی طرف اس طرح بڑھے کہ بیڑیوں کا بوجھ اور ہتھکڑی کی جھنکار' حرکت وجنبش میں مانع تھی۔ معتصم نے انہیں سزائے قید دی اور کوڑوں سے پٹوایا۔ واثق نے ان پر بندشیں عائد کیں اور زندگی تلخ کر دی' لیکن ان میں سے کوئی چیز ان میں تزلزل پیدا نہ کرسکی۔ متوکل نے سونے اور چاندی کے ڈھیر ان کے گرد جمع کر دیئے' مگر انہوں نے پورے استغناء کے ساتھ سیم وزر کے انبار کو ٹھکرادیا۔

یہ دورِ ابتلاء کوئی چودہ برس کے لگ بھگ رہا' مگر امام صاحب رحمہ اللہ اس سے سرخرو ہو کر نکلے۔ جیسے بھٹی سے تپ کر سونا نکلتا ہے اور اپنے آپ کو ہر طرح کی میل کچیل سے صاف کر لیا اور زندگی کی آسائش و فراوانی کی کسی چیز سے اپنا دل نہ لگایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قدرتِ کاملہ نے آپؒ کو حسب و نسب کا شرف، یتیمی، فقر، قناعت، تقویٰ، طہارت اور زہد جیسی نعمتوں سے نوازا تھا اور اس معاملہ میں امام صاحب رحمہ اللہ کی مثال بالکل حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ کی سی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ عباسی خلافت کے عروج کا زمانہ دیکھ رہے تھے' کہ فارسی تمدن اور تہذیب' عربی تمدن و تہذیب پر غالب آ گیا ہے۔ نئی نئی قوموں کے میل جول اور اختلاط سے فلسفیانہ موشگافیاں ابھر رہی تھیں۔ یونانی اور سریانی زبانوں سے علوم فلسفہ کے تراجم ہو رہے تھے۔ مختلف تمدنوں کی آمیزش سے افکار و آراء اور نظریات میں تضاد پیدا ہو گیا تھا۔ فکری اور اجتماعی اختلافات بڑھ گئے تھے۔ مامون الرشید اہلِ فارس کی امداد سے اپنے بھائی امین الرشد پر غالب آیا تھا۔ بس یہیں سے عجمی عناصر عربی عناصر پر غالب آئے۔ یونانی فلسفہ کے فروغ کے سلسلہ میں عجمی عالموں نے مامون کی بہت معاونت کی۔ اس معاونت کے نتیجہ میں فکرِ اسلامی پر نت نئی فکری آویزشیں حملہ آور ہوئیں۔ معتزلہ نے اپنے افکار و نظریات کو اور خاص کر "خلق قرآن" کو حکومتی قہرمانیت سے عوام الناس پر نافذ کرنا چاہا' مگر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس باطل عقیدے کے مقابلہ میں کسی بھی تعزیر، سزا، اور عقوبت کو خاطر میں نہ لائے۔

"فرقۂ معتزلہ" (RATIONALISM) بنی امیہ کے آخری زمانہ میں متکلمین کا ایک ایسا گروہ پیدا' ہوا جس نے چند ایسے عقائد وضع کئے' جو علمائے اسلام کے مسلّمہ عقائد کے سراسر منافی تھے۔ مگر معتزلین اپنے آپ کو "اہل العدل والتوحید" کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ اس کی ابتداء امام حسن بصری رحمہ اللہ کے مواعظ کے درمیان ہوئی۔ جب ان کے ایک عجمی شاگرد واصل بن عطا اپنے ہم خیال ساتھیوں کے ساتھ

کبیرہ گناہ کے ارتکاب کے موضوع پر اختلاف کر کے مسجد کے دوسرے کونے جا بیٹھا تو اس پر امام حسن بصریؒ نے فرمایا

"اعتزل عنّا"

''وہ ہم سے الگ ہو گیا''۔

اس فقرے کی مناسبت سے مخالف عناصر نے ان کو ''معتزلہ'' کے نام سے پکارنا شروع کر دیا۔ معتزلی اپنے عقائد میں سخت متشدد تھے۔ ان کے مطابق:۔

(۱)......انسان اپنے اعمال و حرکات میں مختارِ کُل ہے' کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو جزا و سزا کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

(۲)......دوسرا اختلافی عقیدہ یہ تھا' کہ قرآن مخلوق ہے اور اللہ کی صفات اسکی ذات سے الگ نہیں ہے۔ جو لوگ قرآن کو غیر مخلوق اور صفات الٰہی کو قائم بالذات سمجھتے تھے۔ معتزلین انہیں مشرک اور گمراہ تصور کرتے تھے۔

(۳)......ان کا تیسرا عقیدہ یہ تھا' کہ ذات باری کا کوئی جسمانی وجود نہیں' اس لئے کوئی انسان اسے آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا۔

(۴)......ان کا چوتھا عقیدہ یہ تھا' کہ انسانی افعال سے متعلقہ قوانین معاشرت کی تبدیلی سے بدلتے رہتے ہیں۔

ان اعتقادات نے دنیائے اسلام میں ایک ذہنی کشمکش پیدا کر دی۔ جن لوگوں نے ''مسلکِ اعتزال'' اختیار کیا ان کو جاہ و منصب سے نوازا گیا۔ مگر امام صاحبؒ نے منہاجِ سلف پر چلتے ہوئے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ اور امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا طریقِ کار اور اسلوب حیات اپنایا اور کسی بھی شقاوت و سقا کی کو خاطر میں نہ لائے۔

''مسئلہ خلقِ قرآن'' جس کو مامون، معتصم اور واثق باللہ نے اپنے اپنے دورِ حکومت میں اپنی توجہ مبذول کی کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی اس مسلک کو اختیار

کرلیں۔ خلقِ قرآن کا مسئلہ جعد بن درہم کے ذہن کی پیداوار تھا جسے اُموی دور میں خالد بن عبداللہ القسری نے عید الضحیٰ کے روز قتل کیا تھا۔ جعد بن درہم کے بعد جہم بن صفوان نے اس فتنہ کی آبیاری کی اور اعلان کیا کہ ”قرآن قدیم نہیں مخلوق ہے“ پھر بشر بن غیاث المریسی جو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا شاگرد تھا وہ خلقِ قرآن کی طرف مائل ہوا اور اس کا داعی بنا۔

مامون الرشید کے دورِ حکومت میں ابو ہشام الفوطی کو بڑی قدر و منزلت ملی۔ مامون الرشید مسئلہ خلقِ قرآن کا سب سے بڑا داعی تھا اور اس نے معتزلین کے ساتھ بہت تعاون کیا۔ مامون الرشید نے ادیانِ سابقہ کا مطالعہ ابو ہذیل علاف کی زیر سرپرستی کیا تھا اور ابو ہذیل کا شمار معتزلہ عقائد کے حاملین کے سربراہوں میں ہوتا تھا' اس نے احمد بن ابی داؤد جو قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز تھا۔ اس پر لطف و کرم کی بارش کر دی اور تاریخ طبری کے مطابق ابن ابی داؤد، مامون الرشید کا خاص مشیر تھا۔

۲۱۸ھ میں اپنے انتقال سے قبل مامون نے والی بغداد اسحاق بن ابراہیم کو لکھا کہ:

> ”مسئلہ خلقِ قرآن کے سلسلہ میں فقہاء اور محدثین پر سختی کرنے میں کوئی تامل نہ کرے اور ان پر سختی کی جائے' تا آنکہ وہ اس کو تسلیم کرلیں کہ قرآن مخلوق ہے“۔

اسحاق بن ابراہیم نے مامون الرشید کا فرمان جب فقہاء اور محدثین کو پڑھ کر سنایا تو کم و بیش تمام علماء نے جن میں ابو حسان زمادی، بشر بن الولید کندی، علی بن ابی مقاتل، فضل بن غنم، ذہیل بن الہیثم، قتیبہ، سعد الواسطی، علی بن الجعد، اسحاق بن اسرائیل، ابن الہرش، ابن علیۃ الاکبر، یحییٰ بن عبدالرحمان العمری، ابونصر التمار، ابو معمر القطیعی، محمد بن حاتم، ابن العرفان، نضر بن شمیل، ابن علی بن عاصم، ابو العوام البزار، ابن شجاع اور عبدالرحمان بن اسمٰعیل نے قرآن مجید کو مخلوق تسلیم کرلیا۔ لیکن چار حضرات نے قرآن مجید کو مخلوق تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور وہ تھے سجادہ، القواریری، محمد بن نوحؒ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ان چاروں کو گرفتار کر کے اور پابندِ سلاسل کر کے مامون کے پاس رقہ بھیج دیا گیا۔ وہاں سجادہ اور القواریری نے بھی

قرآن کو مخلوق تسلیم کرلیا۔اب باقی رہ گئے تھے محمد بن نوح اور امام احمد بن حنبل اور یہ دونوں اپنے اصل عقائد پر استقلال سے قائم رہے اور صاف اعلان کر دیا کہ

''وہ کسی قیمت پر بھی قرآن کو مخلوق تسلیم نہیں کریں گے''۔

اسی دوران محمد بن نوح رحمہ اللہ کا انتقال ہوگیا۔امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور رقہ میں سپرد خاک کئے گئے۔اور اسی دوران مامون الرشید کا انتقال ہوگیا۔امام صاحب کو جیل بھیج دیا گیا، معتصم باللہ سریرائے سلطنت ہوا۔اس نے امام صاحب رحمہ اللہ کو دھمکیاں دیں اور مصائب و آلام کا نشانہ بنایا، کوڑے لگائے' لیکن امام صاحب رحمہ اللہ کا ایک ہی نعرہ تھا۔

القرآن کلام اللہ غیر مخلوق

معتصم کے بعد واثق باللہ کا دور آیا۔اس نے اعتزال نوازی کی حد کردی۔اس نے بھی امام صاحب رحمہ اللہ کو بہت زیادہ پریشان کیا۔واثق کے عہد میں قیصرِ روم کے ساتھ جنگی قیدیوں کا تبادلہ ہوا۔اس نے حکم دیا کہ

''جو مسلمان قیدی قرآن کے مخلوق ہونے کو تسلیم کرے اسے آزاد کرالیا جائے اور جو اس کے خلاف عقیدہ رکھے' اسے دوبارہ قیصر کے حوالے کردیا جائے''۔

واثق کے انتقال کے بعد متوکل خلیفہ ہوا۔امام صاحبؒ پر جو پابندیاں عائد تھیں وہ سب ختم کردی گئیں اور آپ کو رہا کردیا گیا۔

۲۳۲ھ میں فتنہ ''خلق قرآن'' ختم ہوا اور متوکل نے اس پر پابندی عائد کردی۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ درس و تدریس کی مسند پر رونق افروز ہوئے۔ان کی پیرانہ سالی، زہد و ورع، تقویٰ و طہارت' زہد و قناعت اور آفات و مصائب کی برداشت نے ان کا مقام و مرتبہ' بہت زیادہ بلند کردیا تھا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی پوری زندگی سنتِ رسول ﷺ سے عبارت ہے' وہ درحقیقت امام فی الحدیث، امام فی الفقہ، امام فی القرآن، امام فی الفقر، امام فی الزہد، امام فی الورع اور امام فی السنۃ کے عالی مقام پر فائز رہے۔

برادرم ملک عبدالرشید عراقی صاحب مسلکِ اہلحدیث کے کہنہ مشق لکھاری ہیں۔ پاکستان میں کوئی بھی ایسا مذہبی رسالہ نہیں کہ جس میں ان کے مضامین شائع نہ ہوتے ہوں۔ عراقی صاحب کثیر التصانیف ہیں۔ شخصیات آپ کا خاص موضوع ہے۔ ان کا اسلوبِ نگارش سادہ اور عام فہم ہے' جس سے قاری کماحقہ، حظ اٹھاتا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی علم و آگہی کے سمندر میں شناوری کر رہا ہے۔ آپ کی تالیف ''سیرۃ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ'' اس لحاظ سے منفرد ہے' کہ آپ نے بعض ائمہ حدیث جنہوں نے امام احمد بن حنبلؒ کی سوانح حیات مرتب کی ہیں۔ اس کو بڑے احسن انداز میں نظرِ قارئین کر دیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عراقی صاحبؒ نے پروفیسر محمد ابوزہرہ مصریؒ کی کتاب ''حیاتِ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ'' سے زیادہ استفادہ کیا ہے۔ اس کتاب کے علاوہ دیگر کتب تاریخ کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے' کہ عراقی صاحب کو ان کاوشوں کا ثمرہ عطا فرمائے۔ اس لئے کہ عقائد و اعمال کی جو گمراہیاں' عہد عباسی میں شاہی سرپرستی میں پروان چڑھیں' اسی نوعیت کی گمراہیوں سے آج مسلم امہ دوچار ہے۔

میں نے یہ مقدمہ عراقی صاحب کی خواہش پر تحریر کیا ہے' اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری اس محنت کو قبول فرمائے۔

عبدالعزیز فاروق (ایم اے)
سابق ڈائریکٹر محکمہ آثارِ قدیمہ پاکستان
۸ مئی ۲۰۰۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

پروفیسر حافظ عبدالستار حامد

علمائے اسلام نے' دینِ اسلام کی نشر و اشاعت اور کتاب و سنت کی صیانت و حفاظت کے لئے ابتداہی میں فنِ ''اسماء الرجال'' سے کام لیا اور بڑی دیانتداری سے رواۃِ حدیث کے حالات مرتب کر کے ان کی زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی۔ اس فن نے آگے چل کر بڑی وسعت حاصل کی اور علمائے اسلام نے بے شمار ضخیم سے ضخیم تر کتابیں ''اسماء الرجال'' پر مرتب کیں۔ اور ہر دور کے علمائے اسلام کے حالات زندگی اور ان کے علمی و دینی کارناموں سے مسلمان کو استفادہ کا موقع ملا۔ بیشتر علمائے اسلام نے محدثین، مورخین، فقہائے عظام اور مشائخ پر بڑی ضخیم کتابیں مرتب فرمائیں اور ان کی علمی و دینی اور تصنیفی کارناموں کی تفصیل بیان کی۔

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ میں' امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ایک جلیل القدر امامِ حدیث، فقیہہ اور مجتہد تھے۔ ان کے علم و فضل، زہد و ورع اور تقویٰ و طہارت کا اعتراف ان کے اساتذہ، معاصرین اور تلامذہ نے کیا ہے۔ ان کی زندگی زہد و توکل میں یکتائے روزگار تھی۔

فتنہ ''خلقِ قرآن'' میں ان کی ثابت قدمی کی وجہ سے تمام عالمِ اسلام ان کی شہرت سے معمور تھا۔ آپؒ نے فتنہ ''خلقِ قرآن'' کا سب سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اربابِ حکومت' اس فتنہ کے حامی تھے۔ امام صاحبؒ کو مجبور کیا گیا کہ وہ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہو جائیں۔ آپؒ نے صاف انکار کر دیا۔ آپ کو کوڑے مارے گئے۔ اسیرِ زنداں کیا گیا' لیکن آپؒ ثابت قدم رہے اور یہ اعلان فرماتے رہے۔

القرآن کلام اللّٰہ غیر مخلوق

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے تنِ تنہا حکومتِ وقت کے رجحان اور اس کے

سرکاری مسلک کا مقابلہ کیا اور اپنے مسلک اور اہل سنت کے طریقہ پر پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ امام صاحبؒ کی زندگی کا اولین مقصد دینِ اسلام کی نشر و اشاعت اور کتاب و سنت کی حفاظت تھی۔ آپؒ نے اپنی پوری زندگی اور اپنی ساری قابلیتیں' اس بلند مقصد اور اس اہم خدمت کے لئے وقف کر دی تھیں۔ انہوں نے دنیا کے کسی جاہ و اعزاز اور کسی لذت و راحت سے سروکار نہیں رکھا تھا۔

ملک عبدالرشید عراقی صاحب نے اپنی اس کتاب کے چار ابواب قائم کئے ہیں۔ پہلے باب میں امام صاحبؒ کے حالاتِ زندگی، تحصیلِ تعلیم، اور ان کے چند مشہور اساتذہ و تلامذہ کے مختصر حالات، علم و فضل اور اخلاق و عادات پر روشنی ڈالی ہے۔ دوسرے باب میں امام صاحبؒ کے دورِ ابتلاء پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ تیسرے باب میں ان کی تصانیف کی فہرست اور ان کی مایہ ناز تصنیف ''مسند احمد'' کا تعارف ہے۔ چوتھے باب میں فقہ حنبلی کے مختلف پہلوؤں پر اپنے انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

یہ کتاب اپنی جامعیت اور اپنی افادیت کے لحاظ سے بڑی عمدہ ہے اور کتاب میں مندرجہ تمام مضامین کو معتبر و مستند کتابوں سے لے کر اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے' کہ وہ عراقی صاحب کو مزید علم اور دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

عبدالستار حامد

جامعہ توحیدیہ اہلحدیث، وزیر آباد

۵ مئی ۲۰۰۳ء

باب اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیات احمد بن حنبلؒ

۱۶۴ھ......۲۴۱ھ

۷۸۰ء......۸۵۵ء

نام ونسب

احمد نام، ابوعبداللہ کنیت، القاب شیخ الاسلام اور امام اہل السنۃ‘ قبیلہ شیبان سے تعلق تھا۔ شجرہ نسب یہ ہے۔

احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادریس بن عبداللہ بن حیان بن عبداللہ بن انس بن عوف بن قاسط بن مازن بن شیبان ۔ قبیلہ شیبان خالص عربی النسل تھا۔ اور یہ قبیلہ اپنی شجاعت، دلیری، بہادری اور غیرت وحمیت کے لئے ہمیشہ سے مشہور تھا۔ امام احمد رحمہ اللہ کے والد محمد بن حنبل رحمہ اللہ ایک بہت بڑے جنگجو اور بہادر سپاہی تھے اور دادا حنبل بن ہلال عہد بنوامیہ میں سرخس کے گورنر رہے تھے۔

خطیب بغدادی تاریخ بغداد میں لکھتے ہیں کہ

> جب عباسی دعوت ابھری‘ تو انہوں نے اس کی امداد واعانت کی اوران لوگوں کے ساتھ شریک ہوگئے‘ جو انقلاب حکومت چاہتے تھے۔ چنانچہ اس راستہ میں انہیں ایذائیں اور تکلیفیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ (تاریخ بغداد ج ٤)

ولادت

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ربیع الاوّل ۱۶۴ھ مطابق نومبر ۷۸۰ء میں بغداد میں

پیدا ہوئے۔ اس وقت عباسی خلیفہ محمد بن منصور الملقب مہدی سربراہِ سلطنت تھا۔

بغداد

بغداد اس وقت علم وفن کا مرکز تھا۔ اس شہر کو امام ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری نے ''مدینۃ العلم وموسم العلماء'' لکھا ہے۔ اس شہر کی بنیاد عباسی خلفیہ ابو جعفر منصور (۱۳۶ھ۔۱۵۸ھ) نے ۱۴۵ھ کے شروع میں رکھی۔ منصور نے اس کا نام ''مدینۃ الاسلام'' رکھا مگر یہ شہر بغداد کے نام سے معروف ہوا۔ اس شہر کے چاروں طرف ایک فصیل بنائی گئی۔ یہ شہر خلافتِ عباسیہ (۱۴۶ھ تا ۶۵۵ھ) تقریباً پانچ صدی تک دارالخلافہ رہا۔ ۶۵۵ھ/۱۲۵۷ء میں تاتاری حکمران ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا۔ اس وقت بغداد کی آبادی ۲۰ لاکھ تھی۔ ہلاکو خان نے آخری عباسی خلیفہ معتصم باللہ کو قتل کرنے کے ساتھ ۱۶ لاکھ آدمی تہ تیغ کر دیئے۔ بغداد کی تمام املاک تباہ کر دی گئیں۔ کتب خانے جلا دیئے گئے۔ مسلمانوں کا یہ عظیم الشان شہر جو صدیوں سے خلافت عباسیہ کا صدر مقام تھا، علم وفن کا مرکز تھا' محدثین کرامؒ، فقہائے عظامؒ، اولیاءؒ، صلحاءؒ، اور ادباء کا مرجع تھا۔ دولت وثروت کا مخزن تھا۔ تاتاریوں نے تباہ کر دیا۔ مکانوں کو ملبہ کا ڈھیر بنا دیا گیا۔

آج ۲۰۰۳ء/۱۴۲۴ھ میں امریکہ برطانیہ نے دوبارہ بغداد کو برباد کر دیا ہے۔ آدھے سے زیادہ شہر ملبے کے ڈھیروں میں تبدیل ہو گیا ہے، کتب خانے جلا دیئے گئے ہیں اور جو جانی نقصان ہوا ہے اس کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔

ابتدائی تعلیم

تعلیم کا آغاز حفظِ قرآن مجید سے ہوا۔ ۴ سال کی عمر میں انہوں نے قرآن مجید حفظ کر لیا۔ سات سال کی عمر میں علومِ دینیہ میں سب سے پہلے حدیث کی طرف خصوصی توجہ کی۔ بغداد میں آپؒ نے سب سے پہلے امامِ حدیث ہیثم بن بشر ابن

ابو حازم واسطی رحمہ اللہ (م۱۸۲ھ) سے استفادہ کیا۔ ان کے علاوہ امام صاحبؒ نے بغداد کے دوسرے محدثینِ کرامؒ سے بھی اکتسابِ فیض کیا۔ اس وقت بغداد میں محدثینِ کرامؒ کا ایک جمِ غفیر موجود تھا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ (م۱۸۲ھ) اور امام عبدالرحمان بن مہدی رحمہ اللہ (م۱۹۸ھ) سے بھی اکتسابِ فیض کیا۔

رحلت وسفر

بغداد میں محدثین کرام سے استفادہ کے بعد امام احمد بن حنبل نے طلب حدیث کیلئے دوسرے مشہور اسلامی مراکز کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام اور جزیرہ کا سفر کیا اور ہر جگہ کے نامور محدثین کرام سے اکتسابِ کیا۔(طبقات الشافیعه ج ۱ ص ۲۰۱)

شیوخ واساتذہ

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے جلیل القدر اساتذہ اور صاحبِ علم وفن محدثینِ کرامؒ سے استفادہ کیا۔ آپ کے مشہور اساتذہ یہ تھے۔

۱)...... محدثِ بغداد حافظ ہشیم بن بشر ابوحازم واسطی رحمہ اللہ (م۱۸۳ھ)

۲)...... امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم رحمہ اللہ (م۱۸۲ھ)

۳)...... امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ (م۱۹۸ھ)

۴)...... امام ابوداؤد سلیمان بن داؤد طیالسی رحمہ اللہ (م۲۰۴ھ)

۵)...... امام عبدالرحمان بن مہدی رحمہ اللہ (م۱۹۸ھ)

۶)...... امام وکیع بن الجراح رحمہ اللہ (م۱۹۸ھ)

۷)...... امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ (م۱۹۸ھ)

۹...... امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ (م۲۰۴ھ)

ہشیم بن بشر ابوحازم واسطی رحمہ اللہ

بغداد کے مشہور محدث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر

ؓ کی مرویات کے متبحر عالم تھے۔۱۰۴ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۸۳ھ میں انتقال کیا۔حافظ ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں کہ

امام ہشیم رحمہ اللہ کی کنیت ابو معاویہ تھی۔واسطہ شہر کے رہنے والے تھے۔مگر مستقل سکونت بغداد میں اختیار کرلی تھی۔ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔بہت بڑے حافظ حدیث تھے اور ان کا شمار قابل اعتماد حفاظِ حدیث میں ہوتا تھا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

''مسلسل چار سال امام ہشیم رحمہ اللہ کے حلقۂ درس میں رہا ہوں۔ ان کی ہیبت اور رعب کا یہ حال تھا' کہ اتنے طویل عرصہ میں ان سے صرف دو دفعہ کسی چیز سے متعلق سوال کرنے کی جرأت ہوئی۔حدیث کا درس دیتے ہوئے کثرت سے تسبیح پڑھتے تھے اور بار بار اونچی آواز سے'لا الہ الا اللہ' کہتے تھے''۔

امام عبدالرحمان بن مہدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ امام ہشیم رحمہ اللہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے زیادہ حدیث یاد رکھنے والے تھے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۲)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ

امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری رحمہ اللہ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔آپؒ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمہ اللہ (م ۱۵۰) کے تلمیذِ خاص تھے۔خلیفہ ہارون الرشید کے عہدِ خلافت میں قاضی القضاۃ رہے۔علم و فضل کے اعتبار سے بلند پایہ تھے۔ نہایت پاکدامن اور عفت مآب تھے۔ان کے علم و فضل کا اعتراف بلند پایہ محدثین رحمۃ اللہ علیہم اور علمائے کرامؒ نے کیا ہے۔ان کے استاد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی ان کے علمی تبحر کے معترف تھے۔تفسیر، حدیث اور فقہ میں ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔فقہ میں انہوں نے تمام

علوم سے زیادہ جودتِ طبع اور جولانی فکر کا ثبوت دیا ہے۔ ان کا ایک عظیم کارنامہ اصولِ فقہ کی تدوین ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے "تذکرۃ الحفاظ" میں امام مزنی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

"اہل الرائے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ حدیث کی زیادہ اتباع کرنے والے تھے"۔

امام یحیٰی بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"امام ابو یوسف رحمہ اللہ حدیث کے عالم اور متبع سنت تھے"۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"امام ابو یوسف رحمہ اللہ حدیث کے معاملہ میں منصف تھے"۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ صاحبِ تصانیف تھے۔ "کتاب الخراج" ان کی سب سے مشہور کتاب ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اس کتاب کی تصنیف میں یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ جب کوئی بحث شروع کرتے ہیں تو پہلے قرآن مجید کی آیت پیش کرتے ہیں، پھر حدیثِ نبوی ﷺ اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے بعد ضرورت محسوس ہوتی ہے تو امام صاحبؒ یا دیگر ائمہؒ کے اقوال سے استدلال پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر ضرورت مقتضی ہوتی ہے تو وہ خود اجتہاد کرتے ہیں۔

یہ کتاب امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے خلیفہ ہارون الرشید کی فرمائش پر لکھی تھی۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے ربیع الاول ۱۸۲ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ عمر ۸۹ برس تھی۔ (تاریخ بغداد، تذکرۃ الحفاظ)

امام ابوسفیان بن عیینہ رحمہ اللہ

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا شمار زمرۂ تبع تابعینؒ کے ممتاز علماء میں ہوتا ہے۔ جن محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے حدیثِ نبوی ﷺ کی ترتیب و تدوین میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ان میں امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا نام سرفہرست ہے۔

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ اُموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے عہدِ خلافت

میں ۱۰۷ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ ۷ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حافظہ کی غیر معمولی نعمت سے نوازا تھا۔ ان کا اپنا ہی قول ہے کہ

''میں جس چیز کو ضبط تحریر میں لایا وہ مجھے یاد ہوگئی''۔

آپؒ نے اس دور کے مشہور محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم سے استفادہ کیا۔ مکہ اور کوفہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کے علم و فضل، تبحرِ علمی اور حدیث میں یگانہ روزگار ہونے کا نامور محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اعتراف کیا ہے۔ امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں، کہ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ (م ۲۳۴ھ) کا قول ہے:

''مافی اصحاب الزهری اتقن من ابن عینیه''

(زہری کے تلامذہ اور اصحاب میں سب سے قابلِ وثوق ابن عینیہ رحمہ اللہ کی ذات تھی۔)

(تهذیب التهذیب ج٤ ص١١٩)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''آپؒ امام حجت، حافظِ حدیث، وسیع العلم اور جلیل القدر انسان تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اگر امام مالک رحمہ اللہ اور امام سفیان بن عینیہ رحمہ اللہ نہ ہوتے تو حجاز سے علمِ حدیث ختم ہو جاتا۔''

(تذکرة الحفاظ ج١ ص٣١١)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ میں نے ان سے زیادہ حدیث کا جاننے والا نہیں دیکھا۔ علم و فضل کے ساتھ سیرت و کردار میں بھی اسلامی زندگی کی صحیح تصویر تھے۔ ۱۹۸ھ میں کوفہ میں انتقال کیا۔

امام ابوداؤد طیالسی رحمہ اللہ

امام ابوداؤد طیالسی رحمہ اللہ کا نام سلیمان بن داؤد بن جارود ہے۔ ربیع الاوّل

۱۳۳ء میں پیدا ہوئے۔ فارس کے رہنے والے تھے، لیکن بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ امام سفیان بن سعید ثوری رحمۃ اللہ علیہ ، امام شعبہ بن حجاج امام جریر بن عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ جیسے نامور محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم سے استفادہ کیا۔

عدالت وثقاہت، حفظ وضبط اور امانت و دیانت میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ معرفتِ حدیث میں بھی ان کا مرتبہ بہت زیادہ تھا۔ وہ صرف احادیث کے ناقل و حافظ ہی نہ تھے، بلکہ ان کی پرکھ میں بھی مہارت تھی۔ علمائے اسلام اور اربابِ سیر نے معرفتِ حدیث میں ان کے علمی تبحر کا اعتراف کیا ہے۔

امام علی مدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے ان سے بڑا حافظِ حدیث نہیں دیکھا'' اور امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ ان کو ''جبل العلم'' کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو حافظِ حدیث کا لقب دیا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م۱۲۳۹ھ) نے بھی ان کے معرفتِ حدیث میں بلند مرتبہ ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

تصنیف میں ان کی ''مسند طیالسی'' مشہور کتاب ہے، جو ۱۳۲۱ھ میں حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی اور اس کا اردو ترجمہ بھی کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔

امام ابوداؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ نے ۷۲ سال کی عمر میں ۲۰۴ھ میں انتقال کیا۔ حاکمِ بصرہ، یحییٰ بن عبداللہ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ (تاریخ بغداد ج ۹ ص ۲۹)

امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ

امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار زمرۂ تبع تابعین کے ممتاز محدثین میں ہوتا ہے جن کے ذریعے حدیثِ نبوی کی تدوین و حفاظت ہوئی۔

آپؒ کی کنیت ابوسعید تھی۔ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ خلافتِ عباسیہ کے آغاز میں ۱۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپؒ نے کبار تابعین کا زمانہ نہیں پایا، لیکن پھر بھی ممتاز اتباعِ تابعین رحمۃ اللہ علیہم سے استفادہ کیا۔

علمِ حدیث میں ان کا شمار اساطینِ امت میں ہوتا ہے۔ علمائے اسلام کی ایک کثیر جماعت نے ان کی خدمتِ حدیث اور اس فن میں ان کے تبحرِ علمی اور امامت و جلالت کا اعتراف کیا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ (م ۶۷۶ھ) نے اپنی کتاب ''تہذیب الاسماء واللغات'' میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام عبدالرحمان بن مہدی رحمہ اللہ خدمتِ حدیث کے لیے پیدا کیے گئے تھے۔

(تہذیب الاسماء و اللغات ج/ص ۵-۲)

امام ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ) نے تذکرۃ الحفاظ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

''امام عبدالرحمان بن مہدی امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ سے زیادہ فقیہہ اور علمِ حدیث میں امام وکیع بن الجراح رحمہ اللہ سے زیادہ پختہ کار تھے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی کتابوں میں حدیث کا سرمایہ تازہ بتازہ محفوظ کیا ہوا تھا'' (تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص ۲۰۵)

اور خود حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

''امام عبدالرحمان بن مہدی رحمہ اللہ عظیم الشان فقیہ، محدث اور مفتی تھے۔ اس کے علاوہ ان کو آثارِ نبوی ﷺ، روایات کے مختلف سلسلۂ سند اور شیوخِ حدیث کے احوال سے واقفیت میں ان کو پوری مہارت حاصل تھی۔''

امام عبدالرحمان بن مہدی رحمہ اللہ نے ۱۹۸ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں بصرہ میں انتقال کیا۔

امام وکیع بن الجراح رحمہ اللہ

امام وکیع بن الجراح رحمہ اللہ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ ۱۱۹ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ اتباع تابعین میں ان کو ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ علم و فضل، زہد و ورع،

عدالت وثقاہت، ذہانت وفطانت اور قوتِ حافظہ میں ان کی نظیر کم ملتی ہے۔ امام وکیع رحمہ اللہ نے نامور ائمہ حدیث رحمۃ اللہ علیہم سے استفادہ کیا۔

آپؒ کے علم وفضل اور علمی تبحر کا آپؒ کے اساتذہ نے بھی اعتراف کیا ہے۔ امام اعمش رحمہ اللہ آپؒ کے استاد تھے۔ انہوں نے آپؒ کے بارے میں پیش گوئی فرمائی تھی کہ

"میرا خیال ہے کہ تمہارا مستقبل شاندار ہوگا"۔

امام وکیع رحمہ اللہ نے ۳۳ سال کی عمر میں درسِ حدیث کا آغاز کیا تھا۔ ان کے حلقۂ درس سے بڑے بڑے فضلاء نکلے۔ ان کا حلقۂ درس مرجعِ خلائق تھا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں، کہ

> "میری آنکھوں نے وکیع رحمہ اللہ جیسا آدمی نہیں دیکھا۔ حدیث کے بلند پایہ حافظ تھے۔ بہترین انداز سے فقہِ حدیث میں ان کا تذکرہ ان کا مشغلہ تھا۔ تقویٰ اور اجتہاد میں ممتاز تھے۔ پرہیزگاری کے ساتھ ساتھ عبادت میں بھی سرگرم تھے اور کسی کی غیبت نہیں کرتے تھے۔" (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۳۹)

علمی کمالات کے ساتھ اخلاقی فضائل سے بھی آراستہ تھے۔ دنیاوی دولت اور وجاہت کی آپ کی نگاہ میں کوئی وقعت نہ تھی اور ہمیشہ اس سے دامن بچاتے رہے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے آپ کے سامنے منصب قضاء کی پیشکش کی لیکن آپ نے منظور نہ کیا۔

امام وکیع بن الجراح رحمہ اللہ منصب امامت واجتہاد پر فائز تھے، لیکن فتویٰ حنفی مذہب کی روشنی میں دیتے تھے۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی "تاریخ بغداد" میں امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ

كان وكيع يفتي بقول ابي حنيفه و كان قد سمع منه شيئاً كثيرا. (تاریخ بغداد جلد۳ ص ۴۷۱)

امام وکیع رحمہ اللہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور انہوں نے امام صاحبؒ سے کافی سماعت بھی کی تھی۔

امام وکیع بن الجراح رحمہ اللہ نے ۱۹۶ھ میں ۶۸ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ

امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ ۱۲۰ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا شمار ممتاز تبع تابعین میں ہوتا ہے۔ جب آپؒ نے شعور کی آنکھیں کھولیں' تو اس وقت ممالکِ اسلامیہ میں قال اللہ وقال الرسول ﷺ کی آواز گونج رہی تھی۔ امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ، امام اوزاعی رحمہ اللہ، امام شعبہ رحمہ اللہ اور امام سفیان ثوری رحمہ اللہ جیسے نامور ائمہِ حدیث اور اساطینِ فن سے اکتساب فیض کیا۔

امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ علم وفضل کے اعتبار سے زمرۂ تبع تابعین کے گوہرِ شب چراغ تھے۔ علمِ حدیث ان کا خاص فن تھا اور اس فن میں ان کا مرتبہ ومقام امام کا تھا۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں امامِ حدیث علی بن مدینی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے' کہ

> ''ہمارے معاصرین میں تین آدمی ایسے تھے' جنہوں نے بدستور علمِ حدیث کی طرف توجہ کی اور اس سے زندگی بھر لپٹے رہے' یہاں تک کہ خود مسندِ تحدیث پر فائز ہوئے۔ ان تین آدمیوں میں سب سے پہلا نام امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ کا تھا''۔

امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ صرف حافظِ حدیث ہی نہ تھے' بلکہ فنِ جرح وتعدیل کے بھی امام تھے۔ مولانا حافظ مجیب اللہ ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

> ''حدیث کی روایت میں سلسلۂ سند کا بڑا اہتمام ہوتا ہے۔ یعنی

اس بات کا بڑا لحاظ کیا جاتا ہے کہ حدیثِ نبوی ﷺ کی روایت جو لوگ کر رہے ہیں، ان کی یادداشت کیسی ہے، ان کے شیوخ کون ہیں، ان کے اخلاق و عادات کا کیا حال ہے۔ غرض یہ کہ ایک روایت کے جتنے راوی ہوتے ہیں، ان کے بارے میں جب تک یہ باتیں نہ معلوم ہوں، اس وقت تک کوئی روایت قابلِ اعتبار نہیں سمجھی جاتی"۔ (تبع تابعین ج۱ ص ۳۴۴)

امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کا شمار ان ائمۂ حدیث رحمۃ اللہ علیہم میں ہوتا ہے، جو روایت اور درایت کے بارے میں پوری تنقید و تفتیش کرتے تھے۔ امام نووی رحمہ اللہ اپنی کتاب "تہذیب الاسماء واللغات" میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں، کہ

"اہلِ عراق کے لئے حدیث کی بساط انہوں نے بچھائی۔ اور ثقہ راویوں کے قبول کرنے اور ضعیف راویوں کے ترک کر دینے میں انہوں نے کافی غور و خوض اور تلاش و تفتیش کی"۔

(تھذیب الاسماء و اللغات ج۲ ص۲۵۵)

امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کے علم و فضل کا اربابِ سیر اور ائمہ حدیث رحمۃ اللہ علیہم نے اعتراف کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ میری آنکھوں نے امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ جیسا عالم نہیں دیکھا۔ حافظ ابن حجر اپنی کتاب "تہذیب التہذیب" میں لکھتے ہیں، کہ تمام ائمہ حدیث رحمۃ اللہ علیہم روایتِ حدیث میں امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کو حجت تسلیم کرتے تھے۔

اخلاق و کردار میں بھی اعلیٰ و افضل تھے۔ اتقاء، زہد و ورع اور پرہیزگاری میں اسلام کی زندہ تصویر تھے۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے ان کے ایک شاگرد بندار کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ

اختلفت الی یحییٰ بن سعید عشرین سنة فما اظن انه عصی اللّٰه

"میں نے ۲۰ سال تک امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کی خدمت کی۔ میرا گمان ہے، کہ اس مدت میں کبھی کوئی ایسا کام نہیں کیا جسے اللہ کی نافرمانی کہا جا سکے"۔

امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ بڑے عابد و زاہد اور قناعت پسندی کے پیکر تھے۔ ۱۹۸ھ میں ۷۸ برس کی عمر میں وفات پائی۔

امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ

ائمہ اربعہ میں امام شافعی رحمہ اللہ نے دین متین کی جو قابلِ قدر خدمات انجام دیں، وہ بلاشبہ تاریخِ اسلام کے اوراق میں ان مٹ نقوش بن کر مرتسم ہیں۔ آپؒ کا نام محمد، کنیت ابوعبداللہ، لقب ناصر الحدیث، شافعی ان کے جدّ اعلیٰ شافع کی جانب نسبت ہے۔

ساتویں پشت پر آپؒ کا سلسلۂ نسب رسول اکرم ﷺ سے مل جاتا ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے

"محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد بن ہاشم بن عبدالمطلب بن عبد مناف القریشی الہاشمی رحمہ اللہ"۔

آپؒ کا سنِ ولادت ۱۵۰ھ ہے اور جائے پیدائش غزہ ہے، جو بیت المقدس کے قریب واقع ہے۔ اسی دن فقہ حنفی کے بانی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

مولانا سید نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ (م ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں،

درایں جامیاں حنفیہ، شافعیہ مزاح است حنیفہ گویند امام شافعی بود تا آن کہ امام انتقال کرد، شافعیہ گویند چوں امام ظاہر شد امام شما بگریخت۔

''اس واقعہ نے احناف وشوافع کے درمیان ایک مزاح پیدا کر دیا ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ جب تک ہمارے امام کا انتقال نہ ہو گیا تھا۔ تمہارے امام چھپے رہے اور شوافع کہتے ہیں کہ جیسے ہی ہمارے امام ظاہر ہوئے تمہارے امام چلتے بنے''۔

۲ سال کے ہوئے تو ان کی والدہ ان کو لے کر مکہ معظّمہ آ گئیں۔ یہیں آپؒ نے پرورش پائی اور مکہ معظّمہ ہی میں آپؒ کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا، اور ابتدائی دس سال آپؒ نے مکہ معظّمہ میں گزارے۔ ان کے پہلے استاد امام مسلم بن خالد زنجی مفتیٔ مکہ تھے۔ ان کی خدمت میں امام شافعی رحمہ اللہ ۳ سال تک رہے۔ جب ان کی عمر ۱۳ سال کی ہوئی تو مدینہ طیبہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ کے آستانے پر حاضر ہوئے۔

مورخ ابن خلکان اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ

جب امام مالک رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کو دیکھا، تو فرمایا تمہارے قلب میں ایک نور ہے۔ معاصی سے اس کو ضائع نہ کرنا تم تقویٰ کو اپنا شعار بنانا۔ ایک دن آئے گا تم بڑے شخص بنو گے۔

امام شافعی رحمہ اللہ جب امام مالک رحمہ اللہ کی خدمت میں پہنچے، تو اس سے پہلے آپؒ مؤطا امام مالک رحمہ اللہ حفظ کر چکے تھے۔ جب آپؒ نے امام مالک رحمہ اللہ کے سامنے مؤطا کی قرأت زبانی کی، تو ان کو بہت زیادہ تعجب ہوا۔ امام شافعی رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ کی خدمت میں صرف ۸ ماہ رہے۔ اس کے بعد واپس مکہ معظّمہ آ گئے اور مکہ واپس آ کر آپؒ نے امام حدیث سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے استفادہ کیا۔

اس کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ کو معاش کی فکر دامن گیر ہوئی۔ اتفاق سے والئ یمن مکہ معظّمہ آیا۔ ان سے بعض عمائدینِ مکہ نے سفارش کر کے امام شافعی رحمہ اللہ کو نجران کا عامل مقرر کرا دیا۔ مگر اس کے ساتھ والئ یمن بہت سفاک اور ظالم تھا۔ رعایا پر بہت زیادتی کرتا تھا۔ امام شافعی رحمہ اللہ اس کو ظلم وستم سے باز رہنے کی تلقین کرتے

تھے۔اس لئے والئ یمن نے آپؒ سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیر سوچی۔ چنانچہ والئ یمن نے خلیفہ ہارون الرشید عباسی کو خط لکھا، کہ شافعی کی ہمدردیاں علوی سادات کے ساتھ ہیں۔ ہارون الرشید نے امام شافعی رحمہ اللہ کو بغداد طلب کیا۔ جب امام شافعی رحمہ اللہ بغداد پہنچے اور خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں پیش ہوئے، تو اس نے آپؒ کے قتل کا حکم صادر کر دیا، لیکن امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ تلمیذ خاص امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ کی سفارش پر آپؒ کو رہائی مل گئی۔ رہائی پانے کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ امام محمد رحمہ اللہ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور ان کی خدمت میں ۳ سال رہ کر فقہ عراق میں کمال پیدا کیا۔ امام محمد رحمہ اللہ سے استفادہ کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ مکہ معظمہ واپس آئے اور حرم میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور آپؒ سے بے شمار حضرات نے استفادہ کیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ علومِ اسلامیہ کے بحرِ بیکراں تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ان پر خاص فضل تھا کہ تمام علوم میں ان کا تبحرِ علمی مسلّم تھا۔ حدیث میں ان کا تبحر بہت زیادہ تھا اور اس فن میں ان کے جامع الکمالات ہونے کا اعتراف ان کے اساتذہ کرام نے بھی کیا ہے۔

علامہ یافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "مرأۃ الجنان" میں امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

لو لا الشافعی لکان اصحاب الحدیث فی عمی

"اگر امام شافعی رحمہ اللہ نہ ہوتے تو اصحابِ حدیث تاریکی میں رہتے"۔

امام محمد بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصحابِ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ ہی کی زبان میں کلام کریں گے۔

فقہ میں بھی ان کا مرتبہ و مقام بہت بلند تھا اور فقہ کے تمام مراکز سے آپؒ نے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ اس لئے ان کو یہ امتیاز حاصل تھا، کہ وہ علوم اہل الرائے اور اہل

الحدیث کے جامع تھے اس لئے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے۔

کان الفقه قفلا علي اهله حتی فتحه الله بالشافعي

''فقہ فقہاء کے لئے ایک قفل تھا، جس کو اللہ تعالیٰ نے امام شافعی رحمہ اللہ کے ذریعہ کھولا''۔

امام شافعی صاحب رحمہ اللہ تصنیف بھی تھے۔ مورخین اور تذکرہ نگاروں نے ان کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ بتائی ہے، لیکن ان کی تین کتابیں یعنی کتاب الام، الرسالۃ اور مسندِ شافعی بہت زیادہ معروف و مشہور ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے رجب ۲۰۴ھ میں ۵۴ سال کی عمر میں قاہرہ (مصر) میں انتقال کیا۔

امام احمد رحمہ اللہ کی امام شافعی رحمہ اللہ کے حلقۂ درس میں شرکت

امام شافعی رحمہ اللہ بغداد میں امام محمد بن حسن رحمہ اللہ کی خدمت میں ۳ سال رہ کر مکہ معظّمہ واپس آئے اور بیت اللہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اسی زمانے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ سے ملے۔ یہ وہ زمانہ تھا، کہ امام شافعی رحمہ اللہ فقہ جدید کے بانی کی حیثیت سے نمایاں ہو رہے تھے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ان سے حدیث اور فقہ میں استفادہ کیا اور علمِ انساب میں بھی اکتسابِ فیض کیا۔

۱۹۵ھ میں جب امام شافعی رحمہ اللہ بغداد آئے، تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ان کے حلقۂ درس سے وابستہ رہے۔ جب مصر تشریف لے گئے، تو امام احمد رحمہ اللہ نے بھی وہاں جانا چاہا، لیکن عسرت و ناداری کی وجہ سے اس کا موقع نہ ملا۔ امام احمد رحمہ اللہ کو امام شافعی رحمہ اللہ سے بہت عقیدت تھی اور ان کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ امام شافعی جب بغداد سے مصر کو روانہ ہوئے، تو آپؒ نے فرمایا

''میں بغداد کو چھوڑ کر جا رہا ہوں، اس حالت میں کہ وہاں احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بڑھ کر نہ کوئی متقی ہے اور نہ کوئی فقیہ۔''

مجلس درس

فراغتِ تعلیم کے بعد ۴۰ سال کی عمر میں غالباً ۲۰۴ھ میں امام احمد رحمہ اللہ درس و تدریس کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ بھی ان کا کمال اتباعِ سنت تھا، کہ انہوں نے عمر کے چالیسویں سال میں جو سنِ نبوت ہے، علومِ نبوت کی اشاعت شروع کی۔ ابتداء ہی سے ان کے درس میں سامعین و طالبین کا اژدہام ہوتا تھا۔ تذکرہ نگاروں نے ان کے درس میں حاضرین کی تعداد ایک وقت میں ۵ ہزار کے قریب بتائی ہے۔ ان کی مجلسِ درس بڑی سنجیدہ اور پروقار ہوتی تھی۔

تلامذہ

امام احمد رحمہ اللہ کی مدتِ تدریس تقریباً ۳۶ سال ہے۔ اس مدت میں آپؒ سے بے شمار حضرات مستفیض ہوئے۔ آپؒ کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ذیل میں آپؒ کے چند مشہور تلامذہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ

امام بخاری رحمہ اللہ ۱۳ شوال ۱۹۴ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ ابھی بچے ہی تھے کہ ان کے والد امام اسمٰعیل بن ابراہیم رحمہ اللہ انتقال کر گئے۔ اور آپؒ نے اپنی والدہ کی آغوش میں تربیت پائی۔ ۱۶ سال کی عمر میں آپؒ نے امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ اور امام وکیع رحمہ اللہ کی کتابیں حفظ کر لی تھیں۔ ۱۸ سال کی عمر میں مدینہ آئے اور روضہ نبوی ﷺ کے پاس بیٹھ کر ''قضایا الصحابہ والتابعین'' اور ''تاریخ الکبیر'' تصنیف کی۔

۲۱۰ھ میں سماعِ حدیث کے لئے سفر کا آغاز کیا اور مختلف اسلامی ممالک میں جا کر وہاں کے اساطینِ فن سے استفادہ کیا۔ بغداد جو علم و فن کا مرکز تھا۔ وہاں آپؒ ۸ مرتبہ تشریف لے گئے اور ہر مرتبہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ان سے بغداد کے قیام پر اصرار فرماتے تھے۔ کوفہ اور بصرہ بھی ان کا کئی بار جانا ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے امام بخاری رحمہ اللہ کو حافظہ کی غیر معمولی نعمت سے نوازا تھا۔ جو

حدیث ایک بار پڑھ لی، حافظہ میں محفوظ ہو جاتی تھی۔ امام صاحب رحمہ اللہ خود فرماتے تھے، کہ

مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں اور میں نے
جامع صحیح بخاری کو ٦ لاکھ احادیث سے منتخب کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ علم وفضل کے اعتبار سے بلند مرتبہ ومقام کے حامل تھے۔ ان کے علمی تبحر اور جامع الکمالات ہونے کا ان کے اساتذہ، تلامذہ اور معاصرین نے اعتراف کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی مدح میں اگر متاخرین کے اقوال نقل کیے جائیں، تو کاغذ اور روشنائی ختم ہو جائے۔

فذلک بحر لا ساحل له......ح
سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے فقہی مسلک کے بارے میں علمائے اسلام میں اختلاف ہے۔ تاہم جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ مجتہد مطلق تھے

امام صاحبؒ کی تصانیف میں ان کی کتاب ''الجامع الصحیح البخاری'' کو جو مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی ہے، اس کی تاریخ میں مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔ اس کتاب کو آپؒ نے ١٦ سال میں مکمل کیا۔ علمائے اسلام نے اس کتاب کے جو محاسن وفضائل بیان کیے ہیں، ان کا بھی احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے، کہ ''جو شخص اس کتاب کی عظمت کا قائل نہیں وہ مبتدع ہے''۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ٢٥٦ھ میں ٦٢ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

امام مسلم رحمہ اللہ

امام مسلم بن حجاج رحمہ اللہ ٢٠٤ھ میں خراسان کے شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن نیشاپور میں حاصل کی۔ اس کے بعد آپؒ نے سماعِ حدیث کے لئے عراق، حجاز، شام ومصر کا سفر کیا۔ اور ہر جگہ آپؒ نے اساطینِ فن سے استفادہ کیا۔

بغداد میں آپؒ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام عبداللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ قعنبی سے اکتسابِ فیض کیا۔امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خاص تھے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ جامع الکمالات تھے۔ان کے علم وفضل اور تبحر کا نامور محدثینِ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اعتراف کیا ہے۔ان کے استاد امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا۔

ای رجل یکون ھذا

خدا جانے کس بلا کا یہ شخص ہوگا۔

اخلاق وعادات کے اعتبار سے بھی امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ بلند مقام کے حامل تھے۔ پوری زندگی نہ کسی شخص کی غیبت کی اور نہ ضرب وشتم کیا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی مسلک کے بارے میں بھی علمائے اسلام میں اختلاف ہے،تاہم جمہور کی رائے یہ ہے،کہ وہ کسی امام رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدِ محض نہیں تھے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں ان کی کتاب ''**الجامع الصحیح المسلم**'' منفرد مقام کی حامل ہے۔ان کی تصانیف میں اس کو سب سے زیادہ مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔اس کتاب کو یہ شرف حاصل ہے،کہ ہمیشہ صحیح بخاری کے ساتھ ساتھ اس کا بھی نام لیا جاتا ہے۔امام صاحبؒ نے یہ کتاب ۱۵ سال میں مکمل کی اور اس کتاب میں آپ نے ان احادیث کو جمع کیا ہے،جن کی صحت پر علماء ومحدثین رحمۃ اللہ علیہم وقت کو اتفاق تھا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۶۱ھ میں ۵۷ سال کی عمر میں نیشاپور میں انتقال کیا۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ۲۰۲ھ میں سیستان میں پیدا ہوئے،لیکن عمر کا زیادہ حصہ بغداد میں گزرا۔اس دور کے نامور محدثین کرام اور ائمہ فن رحمۃ اللہ علیہم سے استفادہ کیا اور سماعِ حدیث کے لئے مختلف اسلامی ممالک کا سفر کیا

بغداد میں آپؒ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اکتساب فیض کیا۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ فقہ، علم و حفظِ حدیث، زہد و ورع، عدالت و ثقاہت، عبادت، یقین وتوکل اور امانت و دیانت میں یکتائے روزگار تھے۔ علمائے اسلام نے ان کے تبحرِ علمی اور جامع الکمالات ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ امام موسیٰ بن ہارون رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ

''امام ابو داؤد رحمہ اللہ دنیا میں حدیث کے لئے اور آخرت میں جنت کے لئے پیدا کئے گئے تھے''۔

مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ (م ۱۳۲۹ھ) نے سنن ابو داؤد رحمہ اللہ کی شرح ''غایۃ المقصود'' کے مقدمہ میں امام ابوعبداللہ حاکم رحمہ اللہ نیشاپوری کا یہ قول نقل کیا ہے۔

''امام ابوداؤد رحمہ اللہ بلاشک وریب اپنے زمانے میں محدثین کے امام تھے۔''

امام ابو داؤد رحمہ اللہ کے فقہی مسلک کے بارے میں بھی علمائے اسلام میں اختلاف ہے، لیکن علمائے اسلام کی اکثریت اس طرف ہے کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ حنبلی المسلک تھے۔ ان کی تصانیف میں سنن ابو داؤد رحمہ اللہ مشہور ومعروف کتاب ہے۔ علمائے اسلام نے اس کی بہت تعریف کی ہے۔ امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ ''سنن ابوداؤد'' جیسی کتاب علم دین کے متعلق ابھی تک نہیں لکھی گئی۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ

''امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے ایسی کتاب لکھی ہے، جو مسلمانوں کے درمیان حکم ثابت ہوئی۔ اور اختلافی مسائل میں فیصلہ کن بن گئی۔''

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے ۲۷۵ھ میں بصرہ میں ۷۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ

فنِ حدیث میں ایک اہم شعبہ ''اسماء الرجال'' ہے۔ اس میں حدیث کے رواۃ پر اس حیثیت سے بحث ہوتی ہے، کہ کون راوی قابل اعتماد ہے اور کون نا قابل اعتماد، راوی کی اخلاقی زندگی کیسی ہے۔ اس میں عقل وفہم کا کس قدر ملکہ ہے۔ اس کے علم اور قوتِ حافظہ کا کیا حال ہے۔ چونکہ ان بحثوں پر حدیث کی صحت وعدم صحت کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس فن میں کلام کرنے کیلئے غیر معمولی علم وفضل اور عقل وبصیرت کے ساتھ ساتھ خدا ترسی اور احساس ذمہ داری کی بھی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے اگر کسی راوی کی جرح میں افراط کی گئی اور اس کی روایت ترک کر دی گئی، تو حدیثِ نبوی ﷺ کی تکذیب ہوتی ہے، اگر تعدیل میں تفریط کی گئی، تو اقوالِ رسول ﷺ میں غلط باتوں کے داخل ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فنِ ''اسماء الرجال'' کے امام ہی نہیں بلکہ امام الائمہ سمجھے جاتے ہیں۔ ان کی ساری زندگی اسلامی معاشرہ کی مساوات اور رفعت کا صحیح مرقع ہے۔

۱۵۱ء میں پیدا ہوئے بغداد کے قریب موضع نقیاس ان کا وطن تھا۔ امام یحییٰ رحمہ اللہ کے والد معین عباسی خلیفہ کے عہدِ حکومت میں ''رے'' کے عامل تھے۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے حدیث کے کچھ اصول وقوانین مرتب کئے۔ رواۃ کے سیرت وکردار کا ایک معیار مقرر کیا اور اس سلسلہ میں اپنی پوری ذہنی وعملی قوت صرف کر دی۔ وہ ایک حدیث کو پچاس پچاس بار اس لئے لکھتے تھے کہ اس کے عیوب ونقائص معلوم ہو جائیں۔

''فنِ جرح وتعدیل'' میں ان کے جامع الکمالات ہونے سے ان کے معاصرین اور دیگر ائمہ حدیث معترف تھے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ان کے استاد تھے۔ وہ بھی ان کے علمی تبحر کے معترف تھے۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے ''تہذیب التہذیب'' میں لکھا ہے کہ

جو روایت یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کو معلوم نہ ہو اس کی صحت مشکوک ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ بھی لکھا ہے، کہ ایک شخص نے امام احمد حنبل رحمہ اللہ کے سامنے کچھ احادیث پیش کیں اور امام صاحبؒ کی خدمت میں عرض کی، کہ ان میں کوئی غلطی ہے، تو اس کی نشاندہی کر دیجئے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا

علیک بابی زکریا فانه لیعرف الخطاء

''ان احادیث کو ابو زکریا یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے سامنے پیش کرو۔ روایات کی غلطیوں کو وہ خوب پہچانتے ہیں۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ابو عبید رحمہ اللہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔ کہ

''امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، علی بن مدینی رحمہ اللہ، ابو بکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ اور یحییٰ بن معین رحمہ اللہ حدیث کی صحت و سقم کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔''

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے ۲۳۳ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا۔ عمر ۸۲ سال تھی۔ جس وقت آپؒ کا جنازہ اٹھایا گیا، تو لوگوں کی زبان پر یہ جملہ تھا کہ ''یہ اس شخص کا جنازہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو کذب بیانی سے بچاتا تھا۔''

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ

آپ کا نام محمد بن ادریس بن منذر حنظلی رحمہ اللہ ہے۔ ''رے'' کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ بہت بڑے حافظِ حدیث اور چوٹی کے عالم تھے۔ علمائے اسلام نے ان کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے۔

موسیٰ بن اسحاق انصاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''میں نے ابو حاتم رحمہ اللہ سے بڑا حافظِ حدیث نہیں دیکھا۔''

امام نسائی رحمہ اللہ نے ان کے حفظ و ضبط، عدالت و ثقاہت کا اعتراف کیا ہے،

شعبان ۲۷۷ھ میں ۸۲ سال کی عمر انتقال کیا۔(تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص ۴۰۸)

امام عبداللہ بن احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ

کنیت ابوعبدالرحمان تھی۔ ۲۱۳ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے حدیث کا بہت زیادہ سماع کیا۔ بہت بڑے حافظِ حدیث تھے۔ علمائے اسلام نے ان کے جامع الکمالات ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ خاص کر ان کا اسماء الرجال، علل حدیث اور اسماء رواۃ میں بلند پایہ ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ خطیب بغدادی اپنی تاریخ بغداد میں لکھتے ہیں کہ

عبداللہ بن احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ لائق اعتبار پختہ کار اور سمجھ دار تھے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے خود ان کے علمِ حدیث میں تبحر ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ امام ابوزرعہ دمشقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ مجھ سے امام احمد رحمہ اللہ نے خود بیان فرمایا، کہ میرا بیٹا عبداللہ علمِ حدیث میں بڑا خوش نصیب واقع ہوا ہے۔ امام عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ نے ۲۹۰ھ میں انتقال کیا۔ (تذکرہ الحفاظ ج۲ ص۶۶۶)

بلاواسطہ تلامذہ

مؤلفین صحاح ستہ میں امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمہ اللہ (م ۲۵۶ھ)، امام مسلم بن حجاج رحمہ اللہ (م ۲۶۱ھ) اور امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث رحمہ اللہ (م ۲۷۵ھ) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بلاواسطہ شاگرد تھے۔ جن کا مختصر تذکرہ آپ اوپر پڑھ آئے ہیں۔

بالواسطہ تلامذہ

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ (م ۲۷۹ھ) احمد بن حسن ترمذی رحمہ اللہ کے واسطہ سے امام ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی رحمہ اللہ (م ۳۰۳ھ) عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ (صاحبزادہ) کے واسطہ سے اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ (م ۲۷۳ھ) امام محمد

بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔

فضل وکمال

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بلند پایہ محدث، فقیہ اور مجتہد تھے اور ان تمام اوصاف سے متصف تھے جو ایک امامِ حدیث وفقہ میں ہونے چاہئیں۔

حافظہ

ان کا حافظہ غیر معمولی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو اس نعمت سے خصوصی نوازا تھا۔ چار سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔

عدالت وثقاہت

ان کی عدالت وثقاہت حفظ وضبط اور امانت ودیانت پر اربابِ سیر اور ائمہ حدیث کا اتفاق ہے۔ علمائے اسلام نے ان کو ثقہ وضابط کہا ہے۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ثقہ وثابت وصدوق لکھا ہے۔

نقد وتمیز

فن جرح وتعدیل میں بھی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ وہ صرف حدیثوں کے ناقل ہی نہ تھے، بلکہ صحیح اور ضعیف روایات میں تمیز کا ان کو مکمل ملکہ حاصل تھا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان کے استاد تھے اور وہ بھی ان کے فہم وبصیرت کے قائل تھے۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ

> ''جب کوئی روایت تمہارے معیار پر صحیح وثابت اتر جائے تو مجھے بھی بتلا دیں، میں اس کو بے تکلف قبول کرلوں گا۔''

مرجعیت ومقبولیت

شہرت وناموری سے دور رہنے کے باوجود عالمِ اسلام کا کوئی گوشہ آپؒ کے

آوازۂ شہرت سے خالی نہیں تھا۔ حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ

''عنفوانِ شباب ہی میں ان کو پوری شہرت حاصل ہوگئی تھی اور بڑھاپے میں تو ہر جگہ ان کا نام روشن ہو گیا تھا'' (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ص ۳۲۷)

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں کہ

''امامت وسیادت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نام کا جزو ہوگئی تھی''

(تذکرۃ المحدثین: ج ۱ص ۱۳۱)

اخلاق وعادات

اخلاق وعادات کے اعتبار سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنی مثال آپ تھے۔ زہد وورع، تقویٰ وطہارت اور عبادت وریاضت میں بہت زیادہ آگے تھے۔

حلم

حلم ایک ایسا وصف ہے، جس سے تمام انبیائے کرام علیہم السلام متصف تھے اور

آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ میں یہ وصف بدرجہ اتم موجود تھا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ میں بھی یہ وصف بہت زیادہ تھا۔ جب معتصم نے ان کو مصائب وآلام میں مبتلا کیا، تو اس وقت ان کا گزران بہت زیادہ مشکل ہوگیا اور نان وشبینہ تک کے محتاج ہوگئے۔ ان کے عقیدت مندان کو ہزاروں روپے کی پیشکش کرتے تھے۔ لیکن آپؒ نے کسی بھی پیشکش کو قبول نہیں فرمایا اور پیشکش کرنے والوں کا مستحسن الفاظ میں شکریہ ادا کرتے تھے۔

استغناء

امام احمد رحمہ اللہ استغناء کے وصف سے بھی بہت زیادہ متصف تھے۔ تاریخ میں ان کے استغناء کے بہت سے واقعات درج ہیں۔ میں یہاں صرف ایک واقعہ پر ہی اکتفا کرتا ہوں کہ

ایک تاجر نے کچھ مال خریدا اور اس کے منافع میں امام احمد رحمہ اللہ کو بھی شامل کر لیا۔ چنانچہ وہ منافع سے ان کے حصہ کے دس ہزار درہم لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؒ نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں اور اس کے لئے دعا کی۔

زہد و ورع

امام احمد رحمہ اللہ کی زندگی زہد و ورع اور توکل میں یکتائے روزگار تھی۔ انہوں نے پوری زندگی سلاطینِ وقت کا عطیہ قبول نہیں کیا۔ امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ

میرا وہ دن خوشبوؤں سے لبریز ہوتا ہے، جس دن میرا ہاتھ خالی ہو۔

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے۔

آخرت کے کھانوں اور لباس کے مقابلہ میں دنیا کے کھانوں اور لباس کی کیا حیثیت ہے اور دنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے۔

جود و سخا

جود و سخا کے وصف سے بہت زیادہ متصف تھے۔ تاریخ میں ان کی سخاوت کے بہت واقعات درج ہیں۔ جو شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، اس کو کبھی خالی ہاتھ واپس نہ کرتے تھے۔ ہارون مستملی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ

"میں ایک دفعہ امام احمد رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی خدمت میں عرض کیا میرا ہاتھ خالی ہے میری کچھ مدد فرمایئے، امام صاحبؒ نے اسی وقت مجھ کو پانچ درہم دیتے ہوئے فرمایا: میرے پاس اس وقت یہی پانچ درہم تھے۔"

تواضع وانکساری

امام احمد رحمہ اللہ نہایت متواضع و منکسر المزاج تھے۔ وہ اپنے علم و فضل پر کبھی فخر

نہ کرتے تھے۔ مسجد سے سب سے آخر میں باہر جاتے۔ ان کے تلمیذِ رشید امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مارأيت مثل احمد بن حنبل صحبته خمسين سنة مافتخر علينا بشي مما كان فيه من الصلاح والخير.

''میں نے امام احمد رحمہ اللہ جیسا نہیں دیکھا۔ میں ۵۰ برس ان کی خدمت میں رہا۔ انہوں نے کبھی ہمارے سامنے اپنی صلاح وغیرہ پر کبھی فخر نہیں کیا۔'' (محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے ص ۱۲۵)

عزلت نشینی

امام احمد رحمہ اللہ شہرت سے کنارہ کش رہتے۔ عزلت نشینی اور تنہائی کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ

''عزلت نشینی سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور عوام الناس سے دور رہنے سے قلب کو سکون ملتا ہے۔''

اتباع سنت

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سنتِ رسول اللہ ﷺ کے اس قدر شیدائی تھے اور آثارِ نبوی ﷺ سے اس قدر لگاؤ تھا اور سلف صالحین کے اتباع کے ساتھ انہیں اس قدر تعلقِ خاطر تھا، کہ وہ ان کی اشاعت وحفاظت کے لئے مجسمہ استقامت بنے ہوئے تھے۔

پروفیسر ابوزہرہ مصری مرحوم لکھتے ہیں۔

''میرے نزدیک امام احمد رحمہ اللہ بہت زیادہ متبع سنت تھے۔ وہ اس بات کا التزام رکھتے تھے، کہ جو فعل رسول اللہ ﷺ سے سرزد ہوا ہے، اسے وہ بھی انجام دیں۔ اور وہ کام نہیں کرتے تھے جسے رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا ہو۔ اس معاملہ میں ان کی شدت یہاں

تک پہنچی ہوئی تھی، کہ جب وہ پچھنا لگواتے تو حجام کو ایک دینار مرحمت کیا کرتے تھے اس لئے کہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پچھنا لگوایا اور ابوطیبہ کو ایک دینار عطا فرمایا۔"

"امام احمد رحمہ اللہ کو اگرچہ باندیوں سے کوئی رغبت نہ تھی، لیکن انہوں نے ایک باندی خریدی اس لئے کہ انہیں معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ باندی رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اہلیہ سے اسی جذبہ متابعتِ سنت کے تحت اجازت طلب کی، تو انہوں نے اجازت دے دی، تاکہ وہ اتباعِ سنت کے سلسلہ میں اپنے شوہر کی مددگار ثابت ہوسکیں۔" (حیات امام احمد بن حنبل ص ۷۸۔۷۹)

امام احمد رحمہ اللہ کی زندگی کا مشن ہی سنتِ نبوی ﷺ کی حمایت و تائید اور بدعات و محدثات کا ابطال تھا۔ خلافِ سنت کاموں کو دیکھ کر سخت برہم ہوتے تھے اور سنت کی خلاف ورزی کرنے والوں کے ساتھ نشست و برخاست کو ناپسند کرتے تھے۔ اپنے کسی عمل کا خلافِ سنت ہونے کا علم ہو جاتا، تو فوراً اس سے باز آجاتے تھے۔ مرض الموت میں شدتِ الم سے کراہنا، اس لئے پسند نہیں کیا کہ وہ خلافِ سنت ہے۔ آپؒ اکثر دعا کیا کرتے تھے۔

اللھم امتنا علی الاسلام و السنة

"اے اللہ! اسلام اور سنت پر ہمارا خاتمہ کر۔"

نظافت و پاکیزگی

طبیعت نظافت پسند تھی۔ گندگی سے سخت نفرت تھی۔ ہمیشہ باوضو رہتے تھے اور صاف ستھرا لباس پہنتے تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۴ ص ۱۱۶)

عبادات و اعمال

عبادت و ریاضت میں بھی امام احمد رحمہ اللہ بے مثال تھے۔ نماز باجماعت ادا

کرتے تھے۔آپؒ کا ارشاد ہے، کہ اذان سے پہلے نماز کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ جماعت کا اسقدر اہتمام تھا، کہ فتنہ ''خلقِ قرآن'' کے سلسلہ میں آپؒ کو کوڑے مارے گئے، جس سے تمام بدن لہولہان ہو گیا۔اس وقت بھی آپؒ نے ابنِ سماعہ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔

نوافل بھی بہت زیادہ پڑھتے تھے۔تہجد کی نماز ساری عمر ادا کی اور اس میں ناغہ نہیں کیا۔تلاوتِ قرآن مجید سے بہت زیادہ شغف تھا۔سات دن میں قرآن مجید ختم کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ دعا کرتے تھے۔استغناء اور گریہ زاری ان کے معمولات میں داخل تھے۔صدقات و خیرات بھی بہت کرتے تھے۔روزوں کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے۔قید خانہ میں سحری کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے پانی سے روزہ رکھتے تھے۔حج بیت اللہ سے پانچ بار مشرف ہوئے۔آخرت کے تصور اور مواخذۂ الٰہی سے ان کا دل ہر وقت لرزہ براندام رہتا تھا۔ان کی مجلسوں میں اکثر قیامت کے موضوع پر گفتگو ہوتی تھی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۳۳۹)

حرفِ آخر

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے علم و فضل، اخلاق و عادات اور عبادات و اعمال پر ڈاکٹر محمد نقش مصری نے بڑے اچھے انداز میں تبصرہ کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ

> ''تمام اسلامی ممالک کے اہلِ علم کا اجماع ہے، کہ امام احمد رحمہ اللہ بہترین صلاحیتوں اور خوبیوں کا مرقع تھے۔ان کی پرہیزگاری، زاہدانہ زندگی، ایمانی قوت کے روح پرور واقعات سے کون ہے جو آشنا نہ ہو اور جب اسلام میں اجماع کو بہتر سمجھا جاتا ہے، تو پھر امام احمد رحمہ اللہ کی پرہیزگاری، جلالتِ علمی اور اصابتِ فکر سے کون انکار کر سکتا ہے۔'' (امام احمد بن حنبل کا دور ابتلاء ص ۴۴)

اہلِ علم کا اعتراف

امام احمد ؒ کے علم و فضل اور ان کے جامع الکمالات ہونے کا ان کے اساتذہ، تلامذہ اور معاصرین نے اعتراف کیا ہے۔ امام شافعی ؒ فرماتے ہیں کہ

”میں جب بغداد سے روانہ ہوا تو وہاں امام احمد ؒ سے زیادہ صاحب علم و فضل اور متدین و متورّع کوئی شخص نہیں تھا۔“

طبقات حنابلہ میں ابن ابی لیلیٰ نے امام شافعی ؒ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ

احمد بن حنبل ؒ، امام فی الحدیث، امام فی الفقه، امام فی اللغه، امام فی القرآن، امام فی الفقر، امام فی الزهد، امام فی الورع اور امام فی السنة تھے۔

امام ابوثور ؒ فرماتے ہیں کہ

”امام احمد ؒ بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے اور ان کا مرتبہ و مقام امام سفیان ثوری ؒ سے زیادہ ہے۔“

علامہ تقی الدین السبکی ؒ نے امام ابوعبید ؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

”حدیث و سنت میں نہ امام احمد ؒ سے بڑا کوئی عالم اور نہ علمائے اسلام میں ان کا کوئی مدمقابل ہے۔“ (طبقات الشافعیہ ج ا ص ۲۰۰)

مولانا ضیاء الدین اصلاحی رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ لکھتے ہیں

”امام احمد ؒ کی عظمت اس سے بھی ظاہر ہے، کہ علمائے امت نے ان کی مدح و توصیف کو تقویٰ و دیانت کا ثبوت اور ذم و تنقیص کو ایمان کے منافی اور نفاق کی علامت قرار دیا ہے۔“ (تذکرۃ المحدثین ج ا ص ۱۲۸)

امام صاحب ؒ کا عقیدہ

امام احمد ؒ امامِ حدیث تھے۔ فقیہ تھے، مجتہد تھے، علمی اور اعتقادی مسائل میں فقہ اور متکلمین کی طرح زیادہ تحقیق و تدقیق کے قائل نہ تھے، بلکہ محدثین رحمۃ اللہ علیہم

کے مسلک کے مطابق جو کثیر طور پر حدیث سے ثابت ہوتا تھا، اسی پر عمل کرتے تھے اور اعتقاد رکھتے تھے۔

امام ابن جوزی ؒ لکھتے ہیں کہ

امام احمد ؒ کے ایک شاگرد نے ان سے صفاتِ الٰہی، قرآن اور ایمان و اسلام کے بارے میں سوال کیا۔ اس سوال کا جو جواب امام صاحبؒ نے دیا وہ درحقیقت امام صاحبؒ کے عقائدِ صحیحہ کا آئینہ ہے۔ امام صاحبؒ اپنے شاگرد کو لکھتے ہیں، امابعد:

> اللہ ہمیں اور تمہیں ہر اس چیز کی توفیق دے، جس میں اسکی رضا ہو اور ہر اس چیز سے بچائے، جس سے وہ ناراض ہے اور ہمیں اور تمہیں ایسے افراد جیسے عمل کرنے کی توفیق دے، جو اس سے ڈرتے ہیں، کیونکہ یہی عمل قابلِ اطاعت ہے اور میں اپنے آپ کو اور تمہیں تقویٰ اور مسلکِ اہل سنت والجماعت کے اتباع کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ تمہیں منکرینِ سنت کی وعید اور حاملینِ سنت کا اجر دونوں معلوم ہیں۔ اور مجھے یہ حدیث پہنچی ہے، کہ بندہ سنت پر عمل کرنے سے جنت میں جائے گا۔ بعد میں تمہیں یاد دلاتا ہوں، کہ قرآن مجید پر کسی چیز کو مقدم نہ کرو۔ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور غیر مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں گزشتہ امتوں کے جو حالات بیان کئے ہیں، وہ بھی غیر مخلوق ہیں اور لوحِ محفوظ میں جو ہے وہ بھی غیر مخلوق ہے۔ جس نے انہیں مخلوق کہا وہ کافر ہے اور جس نے انہیں کافر نہ کہا وہ بھی کافر ہے۔ پھر اللہ کے کلام کے بعد رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا مرتبہ ہے اور آپ ﷺ کی حدیث کے ساتھ صحابہ و تابعین ؓ کے آثار بھی قابلِ قبول ہیں اور رسول اللہ ﷺ جس چیز کو لائے ہیں، اس کی

تصدیق اور آپ ﷺ کی سنت کا اتباع بھی باعثِ نجات ہے۔ یہی تمام سلف و خلف کا مسلک ہے اور جہم کی رائے سے بچو، کیونکہ وہ جھگڑالو انسان ہے۔ جہمیہ کے متعلق متفقہ صورت میں تمام اگلوں سے میں نے یہی سنا ہے۔ ان کی تین جماعتیں ہیں۔ ایک وہ جو قرآن کو اللہ کا کلام اور مخلوق مانتی ہے اور بعض اسے اللہ کا کلام تو مانتے ہیں لیکن اسے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے کے متعلق سکوت کرتے ہیں، ان کو واقفہ کہا جاتا ہے اور تیسرے وہ جو یہ کہتے ہیں کہ

الفاظنا بالقرآن مخلوقة

یہ سب کے سب جہمیہ ہیں اور سلف نے اس پر اجماع کرلیا ہے، کہ ایسے لوگ اپنے عقائد سے توبہ نہ کریں، تو نہ ان کی شہادت معتبر ہوگی اور نہ ان کا ذبیحہ حلال ہوگا اور ایمان قول و عمل کا نام ہے۔ نیکی کرنے سے بڑھتا اور برائی کرنے سے گھٹتا ہے اور کبھی انسان ایمان سے نکل کر اسلام کی طرف آجاتا ہے، پھر جب توبہ کرلیتا ہے، تو ایمان اس میں آجاتا ہے اور اسلام سے (سوا شرک یا اللہ کے فریضہ میں سے کسی ایک کی فرضیت سے انکار) اور کوئی چیز خارج نہیں کرتی اور اگر کسی شخص نے کسی فرض کو لاپرواہی سے ترک کردیا، تو اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے، کہ بخش دے یا عذاب کرے۔

معتزلہ کے بارے میں سارے اگلے اہلِ علم سے ہم نے یہی سنا، کہ وہ گناہ کو بموجبِ کفر کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت آدم علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کے سب بھائی کافر ہوجائیں گے۔ اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے بھی غلطی سرزد ہوئی، اور

یہ لوگ اپنے باپ سے جھوٹ بولے اور معتزلہ نے اس بات پر بھی اجماع کرلیا ہے، کہ جس نے ایک جبّہ بھی چرایا، وہ دوزخ میں جائے گا۔ اور اس کی بیوی بھی بائن ہوجائے گی۔ اگر حج کر چکا ہے، تو پھر حج کرے گا۔ جو لوگ ایسی بات کہتے ہیں وہ بے شک کافر ہیں۔ ان سے نہ باتیں کرنی چاہئیں اور نہ ان کا ذبیحہ کھانا چاہئے۔ اسی طرح رافضیوں کے متعلق ہم نے تمام اگلوں سے سنا، کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں اور ان کے ایمان کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ایمان سے پہلے بتاتے ہیں۔ تو جس شخص نے یہ خیال کیا، کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں، اس نے کتاب وسنت کی تردید کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

محمد رسول اللہ و الذین معہ

اور اس سے مراد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں نہ علی رضی اللہ عنہ۔ لہٰذا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قرآن سے بھی علی رضی اللہ عنہ پر افضل ہوئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بناتا، لیکن اللہ نے مجھے ہی اپنا خلیل بنالیا اور جس نے یہ خیال کیا کہ علی رضی اللہ عنہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پہلے ایمان لائے' اس نے غلطی کی کیونکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ۳۵ سال کی عمر میں ایمان لائے' جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ سات برس کے تھے کہ ان پر احکام وحدود وفرائض کا اجرا ہو ہی نہیں سکتا۔ اور ہمارا ایمان ہے، قضاء وقدر اور خیر وشر، اچھا برا سب ہی اللہ کی جانب سے ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جنت اور جنت والوں کو سارے عالم کو پیدا کرنے سے قبل ہی پیدا کیا اور جنت کی ساری نعمتیں دائمی ہیں، جس نے یہ گمان کیا کہ اس کی نعمت کو فنا ہے اس

نے کفر کیا اور اسی طرح دوزخ اور اہلِ دوزخ کو پیدا کیا اور اس کا عذاب بھی ہمیشہ ہے، کبھی فنا نہ ہوگا اور یہ کہ آنحضرت ﷺ کی شفاعت سے ایک جماعت دوزخ سے نکل کر جنت میں جائے گی اور یہ کہ اہل جنت لامحالہ اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے باتیں کیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا اور میزان حق ہے، صراط حق ہے اور انبیاء علیہم السلام حق ہیں اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور حوض و شفاعت، عرش کرسی اور ملک الموت کے روح قبض کرنے پر ایمان ہے اور یہ کہ روح پھر جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس سے توحید و رسالت کے متعلق سوال کیا جاتا ہے اور نفخ صور (صور قرن ہے جس کو اسرافیل پھونکیں گے) حق ہے اور مدینہ میں جو قبر ہے وہ آنحضرت ﷺ کی قبر ہے اور اسی کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبریں بھی ہیں اور بندوں کے قلوب اللہ تعالیٰ کی آنکھوں کے درمیان ہیں اور دجال یقینی اس امت میں نکلے گا اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اس دنیا میں نازل ہوں گے۔ پھر آپ علیہ السلام دجال کو ''بابِ لد'' میں قتل کریں گے اور جس چیز کو علماء اہل سنت نے منکر کہا وہ منکر ہے اور عام بدعتوں سے بچو اور اس کا بھی ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی آنکھ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسا نہیں دیکھا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ جیسا اور عمر رضی اللہ عنہ کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ جیسا اور عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد علی رضی اللہ عنہ جیسا۔ اللہ کی قسم یہ چاروں خلفاء راشدین مہدیین میں ہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں، یہ دس حضرات جنتی ہیں۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی،

طلحہ، زبیر، سعید، سعد، عبدالرحمان بن عوف اور ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم ان کو میں نے جنتی اس لئے کہا ہے، کہ رسول اکرم ﷺ نے ان کو جنتی کہا ہے اور نماز میں رفع الیدین، آمین بالجہر اور مسلمان امراء کے لئے دعا بھی حسنات میں ہے اور ان پر خروج اور فتنہ کی شرکت سب ممنوع ہیں اور کسی خاص مسلمان کو قطعی جنتی اور دوزخی کہنا (سوا ان دس آدمیوں کے) صحیح نہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو صفات اپنے لیے متعین کی ہیں، ان کو اس کے ساتھ متصف کرو۔ اور جس چیز کی اپنی ذات سے نفی کی ہے اس کی نفی کرو اور نفس پرست لوگوں سے جھگڑنے سے بچو۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے عیوب بیان کرنے سے اور ان کے آپس کے منازعات سے زبان کو روکو، بلکہ ان کے فضائل ہی بیان کرو۔ اہلِ بدعت سے مشورہ اور ان کی صحبت سے اجتناب کرو۔ نکاح بغیر ولی ناکح اور دو شاہد عدل کے صحیح نہیں۔ متعہ قیامت تک کے لئے حرام ہے۔ نماز ہر اچھے اور برے کے پیچھے جمعہ ہو یا عیدین جائز ہے۔ ہر اہلِ قبلہ کی نمازِ جنازہ پڑھو، اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ ہر امام کے ساتھ جہاد یا حج کی شرکت کرنی ضروری ہے۔ جنازہ کی چار تکبیریں ہیں، لیکن اگر امام پانچ تکبریں کہے تو تم بھی کرلو۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اور جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر امام پانچ تکبیریں کہے تو تم بھی کہو۔

لیکن امام شافعی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں مجھ سے اختلاف کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ "اگر پانچ تکبیریں کہی ہیں، تو نماز دہرائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جنازہ کی نماز پڑھی اور چار تکبیریں

کہیں۔ جرابوں اور موزوں پر مسح، مسافر کے لئے تین رات تین دن اور مقیم کے لئے ایک رات ایک دن ہے۔ رات اور دن کی سب سنتیں دو ہیں۔ صبح کی نماز کے بعد اور عید کی نماز کے درمیان اور کوئی نماز نہیں۔ دخولِ مسجد کے بعد تحیۃ المسجد پڑھنا ضروری ہے۔ وتر ایک رکعت ہے۔ اکہری اقامت اہلِ سنت کے نزدیک زیادہ پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اسلام اور اہلِ سنت کے مذہب پر موت دے اور علم کی توفیق دے۔ ہمیں تمہیں خوشنودی کے کام کرنے کی توفیق دے۔" والسلام" (سیرۃ ائمہ اربعہ ص۵۹۲ تا ۵۹۷)

مرتکبین کبائر

امام احمد رحمہ اللہ کبائر کے مرتکب کو کافر نہیں سمجھتے تھے۔ آپؒ کا قول ہے کہ اہلِ توحید میں سے کوئی شخص کافر نہیں ہوسکتا۔ خواہ وہ کبائر کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو۔

لیکن تارکِ نماز کو کافر سمجھتے تھے۔ اس بارہ میں ان کا امام شافعی رحمہ اللہ سے ایک مناظرہ بھی ہوا تھا۔

مسئلہ خلافت

امام صاحبؒ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہت محبت و عقیدت تھی، لیکن عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و برتری کے بھی قائل تھے خلفائے ثلاثہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کسی صحابی پر سب وشتم کرنا ان کے نزدیک بہت بڑی معصیت تھی۔

خلافت کے معاملہ میں ان کا وہی نقطہ نظر تھا، جو جمہور علمائے اہلِ سنت کا تھا اور حضرت امام صاحبؒ اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت پیش کرتے تھے۔

مارأه المسلمون حسنًا فهو عند اللهِ حسن و مارأه

سیئًا فھو عند اللہ سیئی

جس چیز کو جملہ مسلمان بہتر خیال کریں وہ اللہ کے نزدیک بہتر ہے اور جس کو سب برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برُا ہے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ

تمام صحابہ کرامؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ منتخب کیا اس سے ان کی فضیلت اور بزرگی ثابت ہو جاتی ہے۔

عمر بن عثمان حمصی رحمہ اللہ نے امام صاحبؒ سے خلافت کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا:

پہلے خلیفہ حضرت ابو بکرؓ ہیں، اس کے بعد حضرت عمرؓ، پھر حضرت عثمان ؓ اور سب سے آخری خلیفہ حضرت علی ؓ ہیں۔ جو لوگ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر ترجیح دیتے ہیں، وہ درحقیقت ان اجلّہ صحابہ کرامؓ پر اور اس شوریٰ پر نکتہ چینی کرتے ہیں، جنہوں نے حضرت عثمان ؓ کو مقدم قرار دیا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۳۲۸)

ازواج واولاد

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی زندگی میں یکے بعد دیگرے تین نکاح کیے۔ پہلی بیوی کا نام عباسہ بنت فضل تھا۔ اس کے بطن سے آپؒ کے صاحبزادہ صالح پیدا ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ریحانہ سے نکاح کیا۔ ان کے بطن سے عبداللہ پیدا ہوئے۔ ریحانہ کے انتقال کے بعد ایک لونڈی خریدی اور اس کو اپنے عقد میں داخل کیا۔ اس کے بطن سے چار لڑکے حسن، حسین، محمد، سعید اور ایک لڑکی زینب پیدا ہوئیں۔ (تاریخ ابن خلکان)

وفات

امام احمد رحمہ اللہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے، تو خلیفہ المتوکل نے ابن ماسویہ

طبیب کو ان کے علاج کے لئے بھیجا۔ اس نے تشخیص کے بعد علاج تجویز کیا، لیکن امام صاحبؒ علاج کرانے پر آمادہ نہ ہوئے۔ طبیب نے خلیفہ کو یہ رپورٹ پیش کی، کہ امام صاحبؒ کو کوئی بیماری نہیں ہے، صرف خوراک استعمال نہ کرنے سے کمزوری میں اضافہ ہو رہا ہے، وہ عام طور پر روزہ سے ہوتے ہیں اور زیادہ عبادت اور ذکر واذکار میں مشغول رہتے ہیں ان کا علاج یہ ہے، کہ وہ اچھی خوراک استعمال کریں۔ خلیفہ المتوکل طبیب کی یہ بات سن کر خاموش ہو گیا۔

امام صاحبؒ نے ۷۷ سال کی عمر پائی۔ ۹ روز طبیعت زیادہ خراب رہی۔ بالآخر آپؒ نے ۱۲ ربیع الاوّل ۲۴۱ھ کو بغداد میں انتقال کیا۔ ان کے جنازہ میں ۸ لاکھ مرد اور ۶۰ ہزار عورتیں شریک ہوئیں۔ امیر بغداد محمد بن عبداللہ طاہر نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ (طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۲۰۳)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کی مغفرت کے بارے میں بعض علمائے کرام نے خواب بیان کئے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام احمد رحمہ اللہ کو نجات دے دی اور جنت کا مستحق قرار دیا۔

باب دوم

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا دورِ ابتلاء

عباسی خلفاء کے دور میں عجمی روح کی کارفرمائی اور یونانی منطق و فلسفہ کے اثرات نے عربوں کے سادہ مزاج و مذاق میں تبدیلی پیدا کردی۔ اس وقت مسلمانوں کے پاس قرآن وحدیث کی صورت میں یہ علم محکم موجود تھا اوران کو کسی دوسرے علم کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، ائمہ دین اور محدثین رحمۃ اللہ علیہم اسی مسلک پر قائم تھے اور مسلمانوں کی ساری توجہ دعوتِ اسلام، فتح وجہاد اور زندگی کے عملی مسائل اور مفید علوم کی تدوین پر مرکوز تھی۔

جب سریانی اور یونانی کتابوں کے تراجم ہوئے اور قدیم مذاہب وممالک کے علماء و متکلمین سے اختلاط ہوا، تو اس وقت سادہ اور سہل دینِ حنیف پر عقیدہ رکھنے کے بجائے، لایعنی موشگافیوں اور فلسفۂ کلام کے غیر ضروری مباحث میں الجھ کر مختلف گروپوں میں بٹ گئے۔ ان میں فرقہ معتزلہ زیادہ مشہور ہے۔ اس نے دین کی حفاظت وخدمت کا کام بھی انجام دیا، لیکن اس فرقہ نے نئے نئے اور بے بنیاد مسائل بھی پیدا کردیئے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات ان کے باہمی تعلق، کلامِ الٰہی، رویتِ باری تعالیٰ، مسئلہ عدل، تقدیر، جبر واختیار کے متعلق ایسی بحثیں اور مسائل سامنے آئے، جو نہ دینی حیثیت سے ضروری تھے اور نہ دنیاوی حیثیت سے کارآمد۔ بلکہ وحدت امت کے لئے مضر تھے۔ اس لئے محدثینِ کرام رحمۃ اللہ علیہم جن کا مقصدِ زندگی احیائے سنت اور ردِ بدعت تھا، معتزلہ کے افکار وعقائد کے خلاف صف آراء ہوگئے۔ معتزلہ کے ان مسائل میں خلقِ قرآن کا مسئلہ بھی تھا۔

ہارون الرشید اور معتزلہ

ہارون الرشید کا عہدِ خلافت ۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ مطابق ۷۸۶ء تا ۸۱۹ء ہے۔ عباسی

خلفاء میں یہ بڑا جلیل القدر خلیفہ ہوا ہے اور اس کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ ۲۲ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اس کا ۲۳ سالہ عہدِ خلافت عباسی خلافت کا عہدِ زریں ہے۔ بغداد اپنے عروج پر تھا۔ کشادگی اور خوشحالی عام تھی۔ تمدن اور ثقافت کے لئے ہارون الرشید کا دور مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ ہارون الرشید بڑا دیندار، پابندِ شریعت اور علم دوست تھا۔ اسے جہاد کا شوق اور شہادت کی تمنا تھی۔ وہ ایک سال حج کرتا اور ایک سال جہاد۔ ہارون الرشید نے جمادی الثانی ۱۹۳ھ/۸۰۹ء میں طوس میں انتقال کیا۔

ہارون الرشید کے عہدِ خلافت میں معتزلہ کو عروج حاصل نہیں ہوا۔ پروفیسر محمد ابوزہرہ مصری مرحوم لکھتے ہیں کہ

> یوں تو ہارون الرشید کے عہدِ خلافت ہی سے معتزلہ کی تحریک شروع ہوگئی تھی اور دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دیا تھا، وہ لوگوں کو اپنے مسلک کی دعوت دینے لگے تھے، لیکن رشید ان لوگوں میں نہیں تھا، جو عقائد کے معاملات میں ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتا اور اقوالِ فلاسفہ کی روشنی میں جدل عقائد برپا کرنے والوں کا ساتھ دیتا۔ یہی وجہ تھی کہ رشید کے عہدِ خلافت میں معتزلہ اپنے عقائد کے بارے میں کچھ زیادہ پروان نہ چڑھ سکے، بلکہ ایک روایت تو یہ بھی ہے کہ معتزلہ کے ایک گروہ کو جو جدلِ عقائد میں مبتلا تھا، اس نے نذرِ زنداں کر دیا اور جب بشر بن غیاث کا مقولہ اس تک پہنچا تو اس نے کہا ''اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے موقع دیا تو میں بشر کو قتل کر کے چھوڑوں گا''۔ چنانچہ ہارون الرشید کے عہدِ خلافت میں چھپا پھرتا رہا۔ (حیات امام احمد بن حنبل (اردو) ص ۹۸)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ہارون الرشید کی وفات ۱۹۳ھ میں ۲۹ سال کے تھے اور تحصیل علم میں مشغول تھے۔

مامون الرشید کا عہد خلافت

ہارون الرشید نے اپنے انتقال سے پہلے اپنی سلطنت دونوں بیٹوں امین الرشید اور مامون الرشید میں تقسیم کردی تھی۔ ہارون الرشید کی یہ بڑی غلطی تھی۔

امین الرشید کی حکومت ۱۹۳ھ تا ۱۹۸ھ مطابق ۸۰۹ء تا ۸۱۳ء تک قائم رہی۔ امین الرشید اور مامون الرشید میں جنگ ہوئی، جس میں مامون الرشید کو کامیابی ہوئی اور امین الرشید قتل ہوا۔

مامون الرشید کا عہدِ خلافت ۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ مطابق ۸۱۳ء تا ۸۳۳ء تک محیط ہے۔

مامون الرشید بڑا علم و ادب نواز اور علمائے کرام کا قدر دان تھا۔ عادات و اطوار کے اعتبار سے اپنے باپ ہارون الرشید کی طرح تھا، بلکہ زیادہ نرم دل اور ہمدرد تھا، فیاض اور سخی بھی تھا۔ عدل و انصاف کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ ہر اتوار کو فجر سے ظہر تک رعایا کی شکایات سنتا تھا۔ اس کی عدالت میں ایک معمولی آدمی بھی شہزادوں تک سے اپنا حق لے سکتا تھا۔ اس کے مزاج میں حد سے زیادہ سادگی اور انکساری تھی۔ غرور اور تکبر کا نام بھی نہ تھا۔ مامون خود بھی بہت بڑا صاحبِ علم تھا۔ اس کے عہدِ حکومت میں علوم و فنون کی بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ اس لحاظ سے اس کا دور تاریخِ انسانیت کے لحاظ سے بڑا روشن دور تھا۔ خلفائے عباسیہ میں اس جیسا عالم و فاضل کوئی اور خلیفہ نہیں ہوا۔ وہ حافظِ قرآن بھی تھا۔

مامون الرشید کا جب دورِ خلافت شروع ہوا، تو صورتِ حال یکسر بدل گئی۔ ہارون الرشید کے عہد میں معتزلہ گوشہ گیر تھے، لیکن مامون کے عہد میں کھل کر میدان میں آگئے اور رفتہ رفتہ اس کے دربار سے وابستہ ہوگئے۔ اور مامون نے انہیں بلند تر مناصب پر فائز کیا اور مامون الرشید ان کا بہت زیادہ گرویدہ ہوگیا۔

مامون الرشید کے عہد کا قابلِ ذکر فتنہ "خلقِ قرآن" ہے۔ معتزلہ نے اس بات کا پروپیگنڈا شروع کیا، کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ مخلوق ہے۔ مامون الرشید بھی اس عقیدہ کا قائل ہوگیا اور اس کی سرپرستی کرنے لگا۔ مشہور معتزلی قاضی ابن ابی داؤد

سلطنتِ عباسیہ کا قاضی القضاۃ ہوگیا تھا، جو معتزلہ کے افکار و آراء کا پرجوش داعی اور مبلغ تھا اور اس کے ساتھ اس کو حکومت کی سرپرستی بھی حاصل ہوگئی تھی۔ احمد بن ابی داؤد نے مامون الرشید کو اس عقیدہ کا قائل کرلیا، کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں مخلوق ہے۔ چنانچہ ۲۱۸ھ مطابق ۸۳۲ء مامون نے اعلان کردیا، کہ جو لوگ قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار نہ کریں، انہیں سخت سزا دی جائے۔

عقیدہ ''خلقِ قرآن'' اس وقت معتزلہ کا شعار اور کفر و ایمان کا معیار بن گیا تھا۔ چنانچہ مامون الرشید نے علماء کو مجبور کیا، کہ یا تو اس نظریئے کو تسلیم کریں یا پھر سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اب تک آزادیٔ رائے پر پابندی صرف سیاسی معاملات کی حد تک تھی، لیکن مامون جیسے سمجھ دار اور لائق حکمران نے ''خلقِ قرآن'' کے مسئلے میں شدت اختیار کر کے مذہبی آزادی میں بھی مداخلت کردی۔

محدثین کرام اور علمائے اہلِ سنت رحمتہ اللہ علیہم اس مسئلہ میں معتزلہ کے حریف اور مدِ مقابل تھے اور محدثین کرام رحمتہ اللہ علیہم کی طرف سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں سینہ سپر تھے۔

مامون الرشید نے ''خلقِ قرآن'' کے مسئلہ پر اپنی پوری توجہ مرکوز کردی۔ ۲۱۸ھ / ۸۳۳ء میں اس نے والئی بغداد، اسحاق بن ابراہیم کو تاکیدی خطوط لکھے، کہ لوگوں سے زبردستی اس عقیدہ کا اقرار کرایا جائے اور ممالکِ اسلامیہ کے تمام علماء، فقہا اور مذہبی راہنماؤں سے اس مسئلہ میں رائیں دریافت کر کے مجھے مطلع کیا جائے۔

مامون نے یہ فرمان اپنی وفات سے ۴ ماہ پہلے حاکم بغداد کو لکھا تھا اور اس فرمان میں مامون الرشید نے اسحاق بن ابراہیم کو یہ تاکید بھی کی تھی، کہ بغداد کے سات بڑے محدثین رحمتہ اللہ علیہم جو اس عقیدہ کی مخالفت میں کمربستہ ہیں، میرے پاس بھیج دیئے جائیں۔ چنانچہ یہ محدثین رحمتہ اللہ علیہم مامون کے پاس آئے اور مامون نے ان سے خلقِ قرآن کے متعلق سوال کیا۔ ان سب نے اتفاق کیا اور ان کو بغداد واپس کردیا گیا،

جہاں انہوں نے علماء اور محدثین رحمۃ اللہ علیہم کے ایک مجمع کے سامنے اپنے اس عقیدے کا اقرار کیا، لیکن شورش ختم نہ ہوئی اور عام مسلمان اور تمام محدثین اپنے خیال پر قائم رہے۔

انتقال سے پہلے مامون الرشید نے تیسرا فرمان والئی بغداد اسحاق بن ابراہیم کے نام بھیجا۔ اس فرمان میں بھی خلقِ قرآن کا عقیدہ تسلیم کرنے کا شدت سے اصرار کیا گیا تھا اور جو لوگ اس عقیدہ کے انکاری ہوں، تو ان کو سخت سزا دینے کی دھمکی دی گئی تھی۔

اس فرمان میں مامون الرشید نے یہ بھی لکھا تھا، جو عالم خلقِ قرآن کے عقیدہ کو تسلیم نہ کرے، اس کو پابہ زنجیر میرے پاس بھیج دو اور اس کے ساتھ دو علماء بشر بن الولید اور ابراہیم بن المہدی کے قتل کا حکم لکھا تھا۔

مامون کا یہ فرمان جب مجمعِ عام میں پڑھ کر سنایا گیا، تو اس کی ہیبت نے بڑے بڑے لوگوں کے عزم کو متزلزل کر دیا اور انہوں نے مامون کی بات کو تسلیم کر لیا۔ ۲۷ علمائے کرام نے مامون کی رائے سے اتفاق کیا اور انہوں نے مامون کے مسلک کی پیروی کا اعلان کر دیا۔ لیکن چار علماء نے جن کے قلوب کو اللہ نے مضبوط کر دیا، جو حکم الٰہی پر مطمئن رہے، جنہوں نے باقی کو فانی پر ترجیح دی، جنہوں نے اپنے اعتقاد سے بال برابر بھی ہٹنا گوارا نہ کیا۔ انہوں نے جرات اور اقرار کے ساتھ اپنے موقف کو پیش کیا۔ یہ چار نفوس قدسیہ حسب ذیل تھے۔

(۱)......احمد بن حنبل رحمہ اللہ

(۲)......محمد بن نوح رحمہ اللہ

(۳)......القواریری رحمہ اللہ

(۴)......سجادہ رحمہ اللہ

اسحاق بن ابراہیم رحمہ اللہ نے ان چاروں کو پابہ زنجیر کر کے مامون کے پاس طرطوس بھیج دیا۔ دوسرے دن سجادہ اور تیسرے دن القواریری بھی خلقِ قرآن کے قائل ہو گئے۔ اب صرف دو عالم باقی رہ گئے تھے۔ احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور محمد بن نوح رحمہ اللہ۔

ان دونوں کو پابہ زنجیر مامون کے پاس طرطوس روانہ کیا گیا۔ ابھی یہ دونوں عالم رقہ ہی پہنچے تھے کہ مامون الرشید کے انتقال کی خبر ملی۔ چنانچہ ان کو واپس بغداد بھیج دیا گیا۔ راستہ میں محمد بن نوح رحمہ اللہ کا انتقال ہو گیا اور امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء بغداد پہنچے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا خواب

مامون الرشید کے عہدِ خلافت میں جب معتزلہ نے خلقِ قرآن کے بارے میں آواز اٹھائی اور علمائے حق کی طرف سے اس کی مخالفت کا آغاز ہوا، اس وقت امام شافعی رحمہ اللہ مصر میں مقیم تھے۔ آپؒ کو خواب میں سرکارِ دو عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ احمد رحمہ اللہ کو میرا اسلام کہو اور ان سے کہہ دو۔

انک ستمتحن على القول بخلق القرآن فلا تجبهم ترفع لک علمًا الى يوم القيامة.

''عنقریب خلقِ قرآن کے سلسلہ میں تمہارا امتحان ہونے والا ہے۔ تم ان لوگوں کی بات تسلیم نہ کرنا، ہم تمہارا جھنڈا قیامت تک کے لئے بلند کر دیں گے۔''

امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ خواب لکھ کر امام احمد رحمہ اللہ کے پاس بھیج دیا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے جس وقت یہ خط پڑھا، تو مارے خوشی کے آپؒ رو دیئے اور قاصد کو اپنا کرتہ اتار کر بطور انعام دیا۔ قاصد جب اس کرتے کو لے کر مصر میں امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس آیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے کرتہ دیکھ کر فرمایا، کہ یہ تکلیف تو میں تمہیں نہیں دے سکتا، کہ تم سے کرتہ مانگ لوں البتہ یہ ضرور کرو کہ اسے بھگو کر نچوڑ دو اور اس کا پانی میں اپنے پاس رکھ لوں گا۔ (شذرات الذہب ج ۲ ص ۹۸)

معتصم باللہ

مامون الرشید کے بعد اس کا بھائی معتصم باللہ سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس کا عہدِ

حکومت ۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ مطابق ۸۳۳ء تا ۸۴۱ء ہے۔ معتصم بڑا قوی، شجاع اور صاحبِ علم تھا۔ اس کو فنونِ حرب سے دلی لگاؤ تھا۔ شجاعت اور تہور اس کی جبلت میں داخل تھا۔ مامون الرشید کے عہدِ حکومت میں شام اور مصر کا والی رہا۔

مامون الرشید نے معتصم کو یہ وصیت کی تھی، کہ وہ قرآن کے بارے میں اس کے مسلک اور عقیدے پر قائم رہے اور اسی کی پالیسی پر عمل کرے اور قاضی ابن ابی داؤد کو بدستور اپنا مشیر اور وزیر بنائے رہے۔ چنانچہ معتصم نے ان دونوں وصیتوں پر پورا پورا عمل کیا۔

مامون الرشید نے جو ظلم و جور کی فضا پیدا کی تھی، اس کے انتقال سے ختم نہ ہوئی، بلکہ معتصم نے اس میں مزید اضافہ کیا۔ علماء، فضلاء، فقہاء، صلحاء اور محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم میں سے جو لوگ اب تک اس مسلک کے تسلیم کرنے میں توقف کر رہے تھے۔ ان پر مصائب و آلام کا نزول شروع ہو گیا۔ اس گروہ کے سربراہ امام اہلِ سنت احمد بن حنبل رحمہ اللہ تھے۔

امام احمد رحمہ اللہ ابتلاء امتحان میں

اب مسئلہ ''خلقِ قرآن'' کی مخالفت اور عقیدۂ صحیحہ کی حمایت اور حکومت وقت کے مقابلہ کی ذمہ داری تنہا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اوپر تھی۔ اس وقت امام احمد رحمہ اللہ کی حیثیت امام اہلِ سنت کی تھی اور شریعتِ محمدیہ کے رکن کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے تھے۔

امام احمد رحمہ اللہ پابہ زنجیر رقہ سے بغداد پہنچے۔ تین دن تک علمائے معتزلہ نے آپؒ سے مناظرہ کیا، لیکن امام صاحبؒ کے دلائل کے سامنے بے بس ہو گئے اور امام صاحبؒ اپنے موقف پر قائم رہے۔ اس کے بعد امام صاحبؒ کو والی بغداد اسحاق بن ابراہیم کے پاس لایا گیا۔ اسحاق بن ابراہیم نے بھی امام صاحبؒ کو قائل کرنے کی کوشش کی، لیکن ناکام رہا اور امام صاحبؒ اپنے موقف پر قائم رہے۔ اسحاق بن ابراہیم

نے امام صاحبؒ سے مخاطب ہو کر کہا۔

''احمد رحمہ اللہ تمہاری زندگی ایسی دوبھر ہو جائے گی کہ خلیفہ تم کو اپنی تلوار سے قتل نہیں کرے گا، لیکن اس نے قسم کھائی ہے، کہ اگر تم نے اس کی بات قبول نہ کی تو مار پڑے گی اور تم کو ایسی جگہ ڈال دیا جائے گا جہاں کبھی سورج نہ آئے گا۔''

معتصم باللہ کو اس مسئلہ میں اتنی دلچسپی اس لئے تھی، کہ وہ اپنے بھائی مامون الرشید کی وصیت پر عمل کر رہا تھا، دوسرے احمد بن ابی داؤد بھی اس کو ابھار رہا تھا اور نہ وہ امام صاحبؒ کے معاملہ میں نرم تھا۔ احمد بن ابی داؤد کی وجہ سے معتصم نے امام صاحبؒ کو مصائب و آلام میں مبتلا کیا۔ امام صاحبؒ کو معتصم کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے آپؒ کو سمجھانے کی بہت زیادہ کوشش کی اور یہاں تک کہا کہ

''احمد رحمہ اللہ! میں تم پر اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ شفیق ہوں۔ اگر تم اقرار کر لو، تو میں تمہیں رہا کر دوں گا اور اپنے ہاتھوں سے تمہاری ان بیڑیوں کو کھول دوں گا۔''

لیکن امام صاحبؒ اپنے موقف پر قائم رہے۔ معتصم نے جب دیکھا کہ امام احمد رحمہ اللہ پر ان کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا، تو اس نے عملی جامہ پہن لیا اور امام صاحبؒ کو ۲۸ کوڑے مارے گئے۔ ایک تازہ جلاد صرف دو کوڑے مار کر پیچھے ہٹ جاتا اور دوسرا جلاد بلایا جاتا۔ امام صاحبؒ ہر کوڑے پر فرماتے تھے۔

اعطونی شیئًا من کتاب اللہ او سنۃ رسولہ ﷺ حتّٰی اقول بہ

''میرے سامنے اللہ کی کتاب یا اس کے رسول ﷺ کی سنت سے کچھ پیش کرو تو میں اس کو تسلیم کر لوں۔''

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ (م ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ

امام صاحبؒ کو جب سزا دینے کے لئے لایا گیا، تو بغداد میں ایک کہرام مچ گیا تھا اور جب پہلا کوڑا لگایا گیا، تو آپؒ نے بسم اللہ کہا دوسری مرتبہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہا، تیسری بار فرمایا القرآن کلام اللہ غیر مخلوق اور چوتھی مرتبہ یہ آیت تلاوت کی، لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا......

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں، کہ میں نے سنا، کہ امام احمد رحمہ اللہ کو ایسے کوڑے لگائے گئے تھے، کہ اگر ایک کوڑا ہاتھی کو لگتا تو چیخ مار کر بھاگتا۔ (صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۱۹۸)

واقعہ کی تفصیل امام احمد رحمہ اللہ کی زبان سے

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس واقعہ کی تفصیل خود بیان کی ہے۔ حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ) نے اپنی کتاب ''تاریخ الاسلام'' میں امام احمد رحمہ اللہ کے حالات تفصیل سے بیان کیے ہیں امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

''میں جب اس مقام پر پہنچا، جس کا نام باب البستان ہے، تو میرے لئے سواری لائی گئی اور مجھ کو سوار ہونے کا حکم دیا گیا۔ مجھے اس وقت کوئی سہارا دینے والا نہیں تھا اور میرے پاؤں میں بوجھل بیڑیاں تھیں۔ سوار ہونے کی کوشش میں کئی مرتبہ اپنے منہ کے بل گرتے گرتے بچا۔ آخر کسی نہ کسی طرح سوار ہوا اور معتصم کے محل میں پہنچا۔ مجھے ایک کوٹھری میں داخل کر دیا گیا اور دروازہ بند کر دیا گیا۔ آدھی رات کا وقت تھا اور وہاں کوئی چراغ نہیں تھا، میں نے نماز کے لیے ہاتھ بڑھایا، تو پانی کا ایک پیالہ اور طشت رکھا ہوا ملا۔ میں نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ اگلے دن معتصم کا قاصد آیا اور مجھے خلیفہ کے دربار میں لے گیا۔ معتصم بیٹھا ہوا تھا، قاضی القضاۃ

ابن ابی داؤد بھی موجود تھا اور ان کے ہم خیالوں کی ایک جمعیت تھی۔ ابو عبدالرحمان الشافعی بھی موجود تھے۔ اسی وقت دو آدمیوں کی گردنیں اڑائی جا چکی تھیں، میں نے ابوعبدالرحمان شافعی سے کہا، کہ تم کو امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مسح کے بارے میں کچھ یاد ہے۔ ابن ابی داؤد نے کہا، کہ اس شخص کو دیکھو اس کی گردن اڑائی جانے والی ہے اور یہ فقہ کی تحقیق کر رہا ہے۔ معتصم نے کہا ان کو میرے پاس لاؤ، وہ برابر مجھے پاس بلاتا رہا، یہاں تک کہ میں اس کے بہت قریب ہو گیا۔ اس نے کہا بیٹھ جاؤ میں بیڑیوں سے تھک گیا تھا اور بوجھل ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے کہا کہ مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے۔ خلیفہ نے کہا کہو۔ میں نے کہا کہ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اللہ کے رسول نے کس چیز کی دعوت دی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا لا الٰہ الا اللہ شہادت کی طرف، میں نے کہا کہ آپ کے جدِ امجد ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب قبیلہ عبدالقیس کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انہوں نے ایمان کے بارے میں آپ ﷺ سے سوال کیا، تو فرمایا تمہیں معلوم ہے، کہ ایمان کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے۔ فرمایا، اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی اور مالِ غنیمت میں سے پانچویں حصہ کا نکالنا، اس پر معتصم نے کہا اگر تم میرے پیش رو کے ہاتھ میں پہلے نہ آ گئے ہوتے تو میں تم سے تعرض نہ کرتا۔ پھر عبدالرحمان بن اسحاق کی طرف مخاطب ہو کر کہا، کہ میں نے تم کو حکم نہیں دیا تھا

، کہ تم اس آزمائش کو ختم کرو۔

امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں، کہ میں نے کہا اللہ اکبر اس میں تو مسلمانوں کے لئے کشائش ہے۔ خلیفہ نے علماء حاضرین سے کہا کہ ان سے مناظرہ کرو اور گفتگو کرو، پھر عبدالرحمان سے کہا کہ ان سے گفتگو کرو۔

(یہاں امام احمد رحمہ اللہ اس مناظرہ کی تفصیل بیان کرتے ہیں)

ایک آدمی بات کرتا اور میں اس کا جواب دیتا۔ دوسرا بات کرتا اور میں اس کا جواب دیتا۔ معتصم کہتا احمد تم پر اللہ رحم کرے، تم کیا کہتے ہو، میں کہتا امیر المومنین مجھے کتاب اللہ اور سنتِ رسول سے کچھ دکھایئے تو میں اس کا قائل ہو جاؤں۔ معتصم کہتا اگر یہ میری بات قبول کرلیں تو میں اپنے ہاتھ سے ان کو آزاد کردوں اور اپنے فوج و لشکر کے ساتھ ان کے پاس جاؤں اور ان کے آستانہ پر حاضر ہوں۔ پھر کہتا احمد میں تم پر بہت شفیق ہوں اور مجھے تمہارا ایسا ہی خیال ہے، جیسے اپنے بیٹے ہارون کا تم کیا کہتے ہو! میں وہی جواب دیتا کہ مجھے کتاب اللہ یا سنتِ رسول ﷺ میں سے دکھاؤ تو میں قائل ہو جاؤں۔ جب بہت دیر ہوگئی تو وہ اکتا گیا اور کہا جاؤ اور مجھے قید کر دیا اور میں اپنی پہلی جگہ پر واپس آ گیا۔ اگلے دن پھر مجھے طلب کیا گیا اور مناظرہ ہوتا رہا اور میں سب کا جواب دیتا رہا۔ یہاں تک کہ زوال کا وقت ہو گیا، جب اکتا گیا تو کہا ان کو لے جاؤ۔ تیسری رات کو میں سمجھا کہ کل کچھ ہو کر رہے گا۔ میں نے ڈوری منگوائی اور اس سے اپنی بیڑیوں کو کس لیا اور جس آزار بند سے میں نے بیڑیاں باندھ رکھی تھیں اس کو اپنے پائجامہ میں پھر سے ڈال

لیا، کہ کہیں کوئی سخت وقت آئے اور میں برہنہ ہو جاؤں۔ تیسرے روز مجھے پھر طلب کیا گیا۔ دربار بھرا ہوا تھا۔ میں مختلف ڈیوڑھیاں اور مقامات طے کرتا ہوا آگے بڑھا۔ کچھ لوگ تلواریں لئے کھڑے تھے، کچھ لوگ کوڑے لئے، اگلے دن کے بہت سے لوگ آج نہیں تھے۔ جب میں معتصم کے پاس پہنچا، تو کہا بیٹھ جاؤ اور ان سے مناظرہ کرو، گفتگو کرو۔ لوگ مناظرہ کرنے لگے۔ میں ایک کا جواب دیتا دوسرے کا جواب دیتا، میری آواز سب پر غالب تھی۔ جب دیر ہوگئی، تو مجھے الگ کر دیا گیا اور ان کے ساتھ تخلیہ میں کچھ بات کہی پھر ان کو ہٹا دیا اور مجھے بلا لیا، پھر کہا احمد تم پر اللہ رحم کرے، میری بات مان لو، میں تم کو اپنے ہاتھ سے رہا کر دوں گا۔ میں نے پہلا سا جواب دیا، اس پر اس نے برہم ہو کر، کہا ان کو پکڑو اور کھینچو اور ان کے ہاتھ اکھیڑ دو۔ معتصم کرسی پر بیٹھ گیا اور جلادوں اور تازیانہ لگانے والوں کو بلایا۔ جلادوں سے کہا آگے بڑھو، ایک آدمی آگے بڑھتا اور مجھے دو کوڑے مارتا۔ معتصم کہتا، زور سے کوڑے لگانا، پھر وہ ہٹ جاتا اور دوسرا آتا اور دو کوڑے لگاتا۔ ۱۹ کوڑوں کے بعد پھر معتصم میرے پاس آیا اور کہا کیوں احمد! اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو۔ بخدا مجھے تمہارا بڑا خیال ہے۔ ایک شخص عجیف مجھے اپنی تلوار کے دستے سے چھیڑتا اور کہتا کہ تم ان سب پر غالب آنا چاہتے ہو، دوسرا کہتا، اللہ کے بندے خلیفہ تمہارے سر پر کھڑا ہوا ہے۔ کوئی کہتا امیر المومنین آپ روزے سے ہیں۔ آپ دھوپ میں کھڑے ہوئے ہیں۔ معتصم پھر مجھ سے بات کرتا اور میں اس کو وہی جواب دیتا۔ وہ پھر جلاد کو حکم دیتا، کہ پوری قوت سے کوڑے لگاؤ۔ اس اثنا

میں میرے حواس جاتے رہتے۔ جب میں ہوش میں آیا، تو دیکھا، کہ بیڑیاں کھول دی گئی ہیں۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا ہم نے تم کو اوندھے منہ گرادیا۔ تم کو روندا احمد کہتے ہیں۔ مجھ کو کچھ احساس نہ ہوا۔ (تاریخ الاسلام ذہبی بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت ج ا ص ۹۶ تا ۹۹)

امام صاحب رحمہ اللہ کی رہائی

امام احمد رحمہ اللہ ۲۸ ماہ قید رہے۔ اس کے بعد ان کو رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے وقت بھی ابن ابی داؤد نے مزاحمت کی تھی، لیکن معتصم نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ معتصم نے امام صاحبؒ کو ایک بہترین خلعت اور سواری دے کر روانہ کیا۔ آپؒ کے ہمراہ ایک جم غفیر تھا۔ گھر آنے کے بعد امام صاحبؒ نے خلعت فروخت کر کے اس کی رقم غرباء اور مساکین میں تقسیم کر دی۔

معتصم نے امام صاحبؒ سے جو ناروا سلوک کیا تھا۔ اس کو اس پر بہت ندامت ہوئی۔ اسحاق بن ابراہیم والئی بغداد کو اس نے تاکید کی تھی، کہ مجھے امام صاحبؒ کی خیریت سے مطلع کرتا رہے۔ اسحاق روزانہ امام صاحبؒ کے گھر جاتا تھا۔ خلیفہ کی طرف سے امام صاحبؒ کو طبی امداد بھی مہیا کی گئی۔ جب امام صاحبؒ صحت یاب ہو گئے، تو معتصم بہت خوش ہوا۔

امام صاحبؒ کو جن مصائب وآلام میں مبتلا کیا گیا تھا، اس کا ان کی صحت پر کافی اثر پڑا۔ اور بہت زیادہ کمزور اور لاغر ہو گئے تھے۔ پشت پر ضرب کے جو نشانات پڑ گئے تھے، وہ ہمیشہ باقی رہے۔ کلائی پر ایسا کاری زخم لگا تھا، جس کی تکلیف عمر بھر محسوس کرتے رہے۔

ابوالہیثم رحمہ اللہ کے لئے دعائے مغفرت

امام صاحبؒ کے صاحبزادے عبداللہ بن احمد بیان کرتے ہیں، کہ آپؒ تہجد کی نماز کے بعد اکثر دعا کیا کرتے تھے "اے اللہ ابوالہیثم رحمہ اللہ کی مغفرت کر دے۔"

میں نے ایک دن پوچھا! ابا جان ابوالہیثم کون شخص ہے؟ امام صاحبؒ نے فرمایا۔ جب مجھے کوڑے لگانے کے لئے جلادوں کے درمیان کھڑا کیا گیا، تو ایک نوجوان نے پیچھے سے میرا دامن کھینچا اور کہا مجھ کو جانتے ہو، میں نے کہا نہیں، اس نے بتایا کہ میں بغداد کا مشہور عیار، شاطر ڈاکو ابوالہیثم ہوں۔ مجھے دنیا کے چند معمولی خرف ریزوں کیلئے مختلف وقتوں میں ۱۸ ہزار کوڑے لگائے گئے، مگر میں اپنے شیطانی اعمال سے باز نہیں آیا۔ تم کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا جائے گا۔ اس لئے تمہارے دل میں راہِ حق سے انحراف کا خیال بھی نہیں آنا چاہئے۔ مجھ پر اس بات کا بڑا اثر ہوا اور اس سے بڑی تقویت حاصل ہوئی، اب بھی جب ضرب کی شدت محسوس ہوتی ہے، تو اس شخص کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور اس کیلئے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔ (صفۃ الصفوہ ج ۲ ص ۱۹۸)

امام احمد رحمہ اللہ کا کارنامہ اور اس کا صلہ

امام احمد رحمہ اللہ کی بے مثال ثابت قدمی اور استقامت سے ہمیشہ کے لئے یہ فتنہ ختم ہو گیا اور مسلمان بڑے دینی خطرہ سے محفوظ ہو گئے، جن لوگوں نے اس دینی ابتلاء میں حکومتِ وقت کا ساتھ دیا اور موقع پرستی اور مصلحت سے کام لیا، ان کی لوگوں میں کوئی وقعت نہ رہی اور ان کا دینی و علمی وقار جاتا رہا اور اس کے بالمقابل امام احمد رحمہ اللہ کی شان دوبالا ہو گئی۔ علمائے اسلام نے امام صاحبؒ کی اس بے مثال استقامت کی وجہ سے ان کو شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا۔ امام صاحبؒ کے ایک معاصر امام قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اذا رأیت الرجل یحب احمد بن حنبلفاعلم انہ صاحب السنۃ

"جب تم کسی کو دیکھو اگر اس کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے محبت ہے، تو سمجھ لو کہ وہ سنت کا متبع ہے۔"

ایک دوسرے عالم احمد بن ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں

من سمعتوہ بذکر احمد بن حنبلؒ بسوفا تھموہ علی الاسلام

''جس شخص کو تم امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ذکر برائی سے کرتے سنو، تو اس کے اسلام کو مشکوک نظروں سے دیکھو۔'' (تاریخ بغداد ج ۴ ص ۴۲۱)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مرحوم لکھتے ہیں کہ

''امام احمد رحمہ اللہ حدیث میں امام تھے۔ مسند کی ترتیب و تالیف ان کا بڑا علمی کارنامہ ہے۔ وہ مجتہد فی المذہب اور امامِ مستقل ہیں۔ وہ بڑے عابد اور زاہد تھے۔ یہ سب فضیلتیں اپنی جگہ پر مسلّم ہیں، لیکن ان کی عالمگیر مقبولیت و محبوبیت اور عظمت و امامت کا اصل راز ان کی عزیمت اور استقامت اس فتنہ عالم آشوب میں دین کی حفاظت اور اپنے وقت کی سب سے بڑی بادشاہی کا تنہا مقابلہ تھا۔ یہی ان کی قبولِ عام اور بقائے دوام کا اصل سبب ہے۔'' (تاریخ دعوت وعزیمت ج ۱ ص ۱۰۱)

امام علی بن مدینی رحمہ اللہ کا اعتراف

امام علی مدینی رحمہ اللہ مشہور محدث تھے اور امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمہ اللہ کے استاد تھے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے معاصر تھے اور انہوں نے اس فتنہ کی عالم آشوبی دیکھی تھی۔ انہوں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اس کارنامہ کی عظمت کا بڑی فراخدلی سے اعتراف کیا ہے۔

فرماتے ہیں۔

ان اللّٰہ اعز ھذا الدین برجلین لیس لھما ثالث ابو بکر الصدیق یوم الردۃ واحمد بن حنبل یوم المنحۃ.

اللہ تعالیٰ نے اس دین کے غلبہ و حفاظت کا کام دو شخصوں سے لیا ہے، جن کا کوئی تیسرا

ہمسر نظر نہیں آتا۔ ارتداد کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور فتنہ "خلقِ قرآن" کے سلسلہ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ۔ (تاریخ بغداد ج۴ ص ۴۱۸)

اسی عظمت کا نتیجہ تھا، کہ جب امام صاحبؒ کا ۲۴۱ھ میں انتقال ہوا، تو سارا بغداد ان کے جنازہ میں شامل ہوا۔ جنازہ میں شرکت کرنے والے مردوں کی تعداد ۸ لاکھ کے قریب تھی اور ۶۰ ہزار عورتیں بھی جنازہ میں شریک ہوئیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے سوائے قاضی ابن ابی داؤد کے ان تمام لوگوں کو معاف کر دیا تھا، جنھوں نے آپؒ کے ساتھ ناروا سلوک کیا تھا۔ ابن ابی داؤد کے بارے میں آپؒ فرماتے تھے، کہ

وہ اس فتنہ کا بانی، داعی اور محرک تھا۔ اگر وہ اپنی بدعتوں سے باز آجاتا تو اسے بھی معاف کر دیتا۔

مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ

مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ (م ۱۹۵۸ء) حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی عزیمت واستقامت کا تذکرہ درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں۔

"تیسری صدی کے اوائل میں جب فتنہ اعتزال تعمق فی الدین اور بدعتِ مضلہ تکلم بالفلسفہ وانحراف از اعتصام بالسنہ نے سر اٹھایا اور صرف ایک ہی نہیں بلکہ لگا تار تین عظیم الشان فرمانرواؤں یعنی مامون، معتصم اور واثق باللہ کی شمشیر استبداد وقہرِ حکومت نے اس فتنہ کا ساتھ دیا، حتیٰ کہ بقول علی بن مدینی رحمہ اللہ کے فتنہ ارتداد ومنع زکوۃ (بعہدِ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے بعد یہ دوسرا فتنۂ عظیم تھا، جو اسلام کو پیش آیا، تو کیا اس وقت علماءِ امت اور ائمۂ شریعت سے عالمِ اسلام خالی ہو گیا تھا۔ غور تو کرو کیسے کیسے اساطینِ علم وفن اور اکابر فضل وکمال اس عہد میں موجود تھے۔ خود بغداد علماء اہلِ سنت وحدیث کا مرکز تھا، مگر سب دیکھتے ہی دیکھتے رہ گئے اور عزیمت ودعوت کمال مرتبہ وراثتِ نبوت وقیامِ حق وہدایت فی الارض والامت کا وہ جو ایک مخصوص مقام تھا۔ صرف ایک ہی قائم لامر اللہ کے حصہ میں آیا۔ یعنی سید المجددین وامام المصلحین حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنے

اپنے رنگ میں سب مراتب و مقامات تھے، لیکن اس مرتبہ میں تو کسی کا ساجھا نہ تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ قیامِ سنت و دینِ خالص کا قیامت تک کے لئے فیصلہ ہونے والا تھا اور مامون و معتصم کے جبر و قہر اور بشر مریسی اور قاضی ابن ابی داؤد جیسے جبابرہ معتزلہ کے تسلطِ حکومت نے علماء حق کے لئے صرف دو ہی راستے چھوڑے تھے، یا اصحابِ بدعت کے آگے سر جھکا دیں اور مسئلہ ''خلقِ قرآن'' پر ایمان لا کر ہمیشہ کے لئے اس کی تطہیر قائم کر دیں، کہ شریعت میں صرف اتنا ہی نہیں ہے، جو رسول ﷺ بتلا گیا، بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ کہا اور کیا جا سکتا ہے اور ہر ظن کو اس میں دخل ہے۔ ہر رائے اس پر قاضی و آمر ہے۔ ہر فلسفہ اس کا مالک و حاکم ہے۔ **یفعل مایشاو یختار**

اور یا پھر قید خانے میں رہنا، ہر روز کوڑوں سے پیٹا جانا اور ایسے تہہ خانوں میں قید ہو جانا کہ ''لا یرون فیہ الشمس ابدا'' (جہاں سورج کبھی دکھائی نہ دے گا) کو قبول کر لیں۔

اکثریت کے قدم تو ابتداء ہی سے لڑکھڑا گئے۔ بعضوں نے ابتداء میں استقامت دکھائی، لیکن پھر ضعف و رخصت کے گوشے میں پناہ گیر ہو گئے۔ عبداللہ بن عمر القواریری اور حسن بن حماد امام موصوف ؒ کے ساتھ ہی قید کئے گئے تھے، مگر شدائد و محن کی تاب نہ لا سکے اور اقرار کر کے چھوٹ گئے۔ بعض نے روپوشی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی، کہ کم از کم اپنا دامن تو بچا لے جائیں۔ کوئی اس وقت کہتا تھا۔

لیس هذا زمان حدیث ، انما هذ ازمان بکاء و تضرع و دعا کدعا الغریق

یعنی یہ زمانہ درس و اشاعت علوم و سنت کا نہیں ہے۔ یہ تو وہ زمانہ ہے، کہ بس اللہ کے آگے تضرع و زاری کرو اور ایسی جگہ دعائیں مانگو، جیسے سمندر میں ڈوبا ہوا دعا مانگے۔ کوئی کہتا تھا:

احفظوا لسانکم، وعاجلوا قلبکم، وخذوا ما تعرفوا و

دعوا ماتنکِروا.

''اپنی زبانوں کی نگہبانی کرو۔اپنے دل کے علاج میں لگ جاؤ ، جو کچھ جانتے ہو اس پر عمل کیے جاؤ اور جو برا ہو اس کو چھوڑ دو۔''

کوئی کہتا:

هذا زمان السکوت و ملازمة البیوت.

''یہ زمانہ خاموشی کا زمانہ ہے اور اپنے اپنے دروازوں کو بند کر کے بیٹھ رہنے کا۔''

جب کہ تمام اصحابِ کاروطریق کا یہ حال ہو رہا تھا اور دین الخالصکی بقاو قیام ایک عظیم الشان قربانی کا طلبگار تھا، تو غور کرو کہ صرف امامِ موصوف رحمۃ اللہ علیہ ہی نے جن کو فاتح و سلطانِ عہد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے نہ تو دعاتِ فتن و بدعت کے آگے سر جھکایا، نہ روپوشی و خاموشی و کنارہ کشی اختیار کی اور نہ صرف بند حجروں کے اندر کی دعاؤں اور مناجاتوں پر قناعت کر لی' بلکہ دین خالص کی راہ میں اپنے نفس و وجود کو قربان کر دینے اور تمام خلفِ امت کیلئے اثبات و استقامت علی السنۃ کی راہ کھول دینے کیلئے بحکم

فاصبروا کما صبر اولوالعزم من الرسل

اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کو قید کیا گیا قید خانے میں چلے گئے۔ چار چار بوجھل بیڑیاں پاؤں میں ڈالی گئیں، پہن لیں۔ اسی عالم میں بغداد سے طرطوس لے چلے اور حکم دیا گیا کہ بلا کسی مدد کے خود ہی اونٹ پر سوار ہوں اور خود ہی اونٹ سے اتریں۔ اس کو بھی قبول کر لیا۔ بوجھل بیڑیوں کی وجہ سے ہل نہیں سکتے تھے۔ اٹھتے تھے اور گر پڑتے تھے۔ عین رمضان المبارک کے عشرۂ اخیر میں جس کی اطاعت اللہ کو تمام دنوں کی طاعات سے زیادہ محبوب ہے۔ بھوکے پیاسے، جلتی دھوپ میں بٹھائے گئے اور پیٹھ پر جو علم و معارفِ نبوت کی حامل تھی، لگاتار اس طرح کوڑے مارے گئے، کہ ہر جلاد دو ضربیں پوری قوت سے لگا کر پیچھے ہٹ جاتا اور پھر تازہ دم، نیا جلاد اس کی جگہ لیتا، اس کو بھی

خوشی خوشی قبول کرلیا۔ مگر اللہ کے عشق سے منہ نہ موڑا اور راہِ سنت سے منحرف نہ ہوئے۔ تازیانے کی ہر ضرب پر بھی جو صدا زبان سے نکلتی تھی، وہ نہ تو جزع فزع کی تھی اور نہ شور وفغاں کی تھی، بلکہ وہی جس کیلئے یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔

القرآن کلام اللّٰہ غیر مخلوق.

اللہ اللہ یہ کیسی مقام دعوت کبریٰ کی خسروی و سلطانی تھی اور وراثت و نیابتِ نبوت کی ہیبت و سطوت کہ خود معتصم باللہ، جس کی ہیبت و رعب سے قیصرِ روم، لرزاں و ترساں رہتا تھا، سر پر کھڑا تھا اور وہ بار بار کہہ رہا تھا۔

یا احمد و اللّٰہ انی علیک لشفیق انی لا شفق علیک کشفقتی علی هارون ابنی، و واللّٰہ لئن اجا بنی لاطلقن عنک بیدی. ماتقول

واللہ میں تم پر اس سے بھی زیادہ شفقت رکھتا ہوں، جس قدر اپنے بیٹے ہارون کے لئے شفیق ہوں۔ اگر تم خلق قران کا اقرار کرلو، تو اللہ کی قسم! ابھی اپنے ہاتھوں سے تمہاری بیڑیاں کھول دوں۔

لیکن اس پیکرِ حق، اس مجمۂ سنت، اس مرید بالروح القدس، اس صابرِ اعظم کی زبانِ صدق سے صرف یہی جواب نکلتا تھا۔

اعطونی شیئًا من کتاب اللّٰہ او سنة رسولہ ﷺ حتی اقول بہ.

اللہ کی کتاب سے کچھ دکھلا دو یا اس کے رسول ﷺ کا کوئی قول پیش کردو، تو میں اقرار کرلوں، اس کے سوا میں اور کچھ نہیں جانتا۔

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

اگر اس چراغِ تجدید و مصباحِ عزیمت و دعوت کی روشنی، مشکوٰۃِ نبوت سے مستنیر

نہ تھی، تو پھر یہ کیا تھا؟ کہ جب معتصم ہر طرح عاجز آ کر قاضی ابن ابی داؤد وغیرہ علماءِ بدعت واعتزال سے کہتا: ناظروہٗ و کلموہ' (اس سے مناظرہ کرو اور گفتگو کرو) اور وہ کتاب وسنت کے میدان میں عاجز آ کر اپنے اوہام وظنونِ باطلہ کو باسم عقل ورائے پیش کرتے، کہ سرتاپا یونانیاتِ ملعونہ سے ماخوذ تھے، تو وہ اس کے جواب میں بے ساختہ بول اٹھے۔ما ادری ما ھذا میں نہیں جانتا یہ کیا بلا ہے؟

اعطونی شیئًا من کتاب اللّٰہ او من سنۃ رسولہٖ ﷺ حتی اقول بہٖ.

اس تمام کائناتِ ہستی میں میرے سر کو جھکانے والی صرف دو ہی چیزیں ہیں، اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت، اس کے سوا نہ میرے لئے کوئی دلیل ہے نہ علم۔

ما قصہ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

امام صاحبؒ کو جب قید کر کے طرطوس روانہ کیا گیا، تو ابوبکر الاحول نے پوچھا

ان عرضت علیک السیف تجیب

اگر تلوار کے نیچے کھڑے کر دیئے گئے، تو کیا اس وقت مان لوگے۔فرمایا نہیں، نہیں

ابراہیم بن مصعب کوتوال کہتا ہے

میں نے کسی انسان کو بادشاہوں کے آگے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر بارعب نہ پایا۔

یومئذ مانحن فی عینیہ الا کا مثال الذباب

ہم عمالِ حکومت ان کی نظروں میں مکھیوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے۔

اور یہ بالکل حق ہے، جن لوگوں کی نظروں میں جلالِ الٰہی سمایا ہو، وہ مٹی کی ان

پتلیوں کو جنھوں نے لوہا تیز کر کے کاندھے پر ڈال رکھا ہو۔ بہت سا چاندی سونا اپنے جسم پر لیپ لیا ہے۔ کیا چیز سمجھتے ہیں، ان کو خود اقلیمِ عشقِ الٰہی کی سروری و شاہی اور شہرستانِ صدق وصفا کا تاج وتخت حاصل ہے۔

مبیں حقیر گدایان عشق راکیں قوم
شہان بے کمرو خسروان بے کلہ اند

(تذکرہ ص ۱۳۶ تا ۱۴۲)

اس کے بعد مولانا ابوالکلام رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

یہ ہے مقام ان الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا. اور یہ ہے وراثت ونیابتِ حقیقی وکامل فاستقم کما امرت اور انك باعيننا اور فانه يسلك من بين يديه ومن خلفه رصدا کی اور یہ ہیں مجسم و ممثل معنی کریمہ۔

اولٰئك كتب فی قلوبهم الایمان و ایدیهم بروح منه اور رضی اللّٰه عنه و رضواعنه، اولئك حزب اللّٰه الا ان حزب اللّٰه هم المفلحون کے

اور یہ ہے وہ معاملہ کہ ان عبادی لیس لك علیه سلطان جب بندگانِ حق کو شیاطین وابلیس کا وہ مکروخدع بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلاسکتا، کہ لتزول عنه الجبال تو ظاہر ہے کہ چمڑے کے کوڑے اور لوہے کی دھار، ان کی استقامت پر کب غالب آنے والی ہے، یہ تو اس کے مقابلے میں محض ایک ابتدائی اور آزمائشی منزل ہے۔

کریں گے کوہ کن کے جذبِ دل کا امتحان آخر
ابھی اس خستہ کے نیروئے تن کی آزمائش ہے

فی الحقیقت حضرت امام موصوف رحمہ اللہ کی نسبتِ محمدی ﷺ اور کمال مرتبہ تاسئی باسوۂ نبوت کی وہ شان جلالت ہے، جس نے تمام ائمہ ومجددینِ امت کی صفوف مراتب

وکمال سے بلند کر کے ایک دوسرے ہی مقام پر پہنچا دیا ہے۔ حتیٰ کہ تمام ائمۂ اسلام میں یہ فضل مخصوص صرف انہی کے حصے میں آیا، کہ ان کی محبت و پیروی اہلِ حق وسنت ہونے کی دلیل ٹھہری اور ان سے انحراف بدعتی ہونے کی سب سے بڑی پہچان۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فنا فی السنته ہونے کا وہ مرتبہ عطا فرمایا، کہ کمال استغراق و تفانی کی وجہ سے خود ان کی ذاتِ گرامی ہی یکسر سنت واتباع کا پیکر و مجسمہ بن گئی۔ (تذکرہ ص ۱۵۲)

معتصم کا انتقال

معتصم نے ربیع الاول ۲۲۷ھ / ۸۴۱ء کو ۴۷ سال کی عمر میں انتقال کیا اور شہر سامرا میں دفن ہوا۔

واثق باللہ:۔

معتصم کے انتقال کے بعد ۸ ربیع الاول ۲۲۷ھ کو واثق باللہ خلیفہ منتخب ہوا۔ واثق باللہ بڑا علم دوست خلیفہ تھا۔ خود بھی عالم فاضل اور شاعر تھا۔ اس کا عہدِ خلافت ۲۲۷ھ تا ۲۳۲ھ مطابق ۸۴۱ء تا ۸۴۶ء ہے۔

واثق بھی اپنے والد معتصم کی طرح مسئلہ خلقِ قرآن کے سلسلہ میں سخت تھا۔ اس نے بھی بہت سے محدثین اور علمائے حق کو مصائب و آلام میں مبتلا کیا، قید و بند کی سزائیں دیں۔ مشہور صاحبِ عزیمت بزرگ اور جید عالمِ دین علامہ احمد بن نصر خزاعی رحمہ اللہ کو تختہ دار پر لٹکایا، لیکن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ پر سختی نہیں کی۔ ان کو گھر میں نظر بند کر دیا، یہاں تک کہ مسجد میں نماز پڑھنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۳۲۵)

پروفیسر محمد ابو زہرہ مصری مرحوم لکھتے ہیں کہ

معتصم کے بعد واثق مسند آرائے خلافت ہوا، اور اب پھر امتحان و ابتلاء کا دور شروع ہوا۔ اگرچہ یہ عہد معتصم کی طرح کوڑوں کی مار اور جسمانی ایذا رسانی سے خالی تھا کیونکہ وہ جانتا تھا، اگر سختی کی گئی تو عوام کی نظر میں امام احمد رحمہ اللہ کی منزلت اور وقعت

پہلے سے بھی زیادہ بڑھ جائے گی اور ان کے افکار و خیالات لوگوں کے دلوں میں اور زیادہ جڑ پکڑ جائیں گے اور خلیفہ کی طرف سے خلق قرآن کی جو دعوت دی جاتی ہے اس کی ناکامی میں اور اضافہ ہو جائے گا ان سب پر بالا عوام کا غم وغصہ الگ انتہا کو پہنچ جائے گا جنہیں ابن ابی داؤد ''حشو امت'' سے تعبیر کیا کرتا تھا۔ بس عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ عوام کی شورش اور برہمی سے حتی الامکان بچا جائے۔ لہٰذا احمد بن ابی داؤد نے معتصم کی وفات کے بعد جسمانی ایذا رسانی کا اعادہ نہیں کیا لیکن انہیں لوگوں میں گھلنے ملنے سے منع کر دیا۔ واثق نے امام احمد رحمہ اللہ کے لئے حکم صادر کیا

''تمہارے پاس کسی کو آنے اور ملنے جلنے کی اجازت نہیں اور نہ تم اس شہر میں اقامت اختیار کرو، جہاں ہمارا قیام ہو۔''

اس حکم کے بعد امام احمد رحمہ اللہ اپنے گھر میں محصور ہو گئے، حتیٰ کہ نماز وغیرہ کیلئے بھی گھر سے نہیں نکلتے تھے، یہاں تک کہ واثق کا بھی انتقال ہو گیا۔

(حیات امام احمد بن حنبل ص ۱۳۶۔۱۳۷)

ڈاکٹر محمد نغش مصری لکھتے ہیں کہ

معتصم کی وفات کے بعد ربیع الاول ۲۲۰ھ میں واثق تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ اس نے حالات کا جائزہ لیا، تو اس نتیجہ پر پہنچا، کہ امام احمد رحمہ اللہ جیسے ٹھوس، مضبوط، راسخ العقیدہ انسانوں پر قافیۂ حیات تنگ کرنا اور انہیں زدوکوب کرنا، ممکن نہیں جب کہ ہم دیکھتے ہیں، کہ ان کے پیروکاروں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے، البتہ اپنے غم وغصہ کو فرو کرنے کیلئے اس نے محمد بن ابی اللیث کو حکم دیا، کہ امام احمد رحمہ اللہ کے متبعین کو تختۂ مشق بنایا جائے۔ چنانچہ حکم ملتے ہی اس نے محدثین فقہاء و معلمین بلکہ مورخین تک کو گرفت میں لیا اور ان پر طرح طرح کے مظالم روا رکھے گئے اور انہیں سخت مشکلات میں ڈال دیا گیا۔ نتیجۃً اکثر لوگ روپوش ہو گئے اور باقی ماندہ لوگوں کو پسِ دیوارِ زنداں کر دیا گیا اور مساجد میں لا الہ الا اللّٰہ رب القرآن المخلوق

کے کتبے لگادیئے گئے۔امام مالک رحمہ اللہ ،امام شافعی رحمہ اللہ کے نقطۂ نظر کا پرچار کرنے والے فقہاء، کا مساجد میں داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔امام احمد رحمہ اللہ کو بھی ان کے گھر میں نظر بند کردیا گیا اوران پر پابندیاں عائد کردی گئیں۔چنانچہ واثق کی وفات تک امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نظر بندی کی زندگی بسر کرتے رہے،اس کی وفات کے بعد امام احمد رحمہ اللہ اوران کے جانثار رفقاء کی قربانیاں بارآور ہوتی ہیں، ان کی آواز کو مقبولیت حاصل ہوتی ہے اوران کے مخالفین عبرتناک شکست سے دوچار ہوتے ہیں اور انہیں سر چھپانا مشکل ہوجاتا ہے۔

واثق نے ذی الحجہ ۲۳۲ھ میں انتقال کیا۔(امام احمد بن حنبل کا دور ابتلاء ص ۲۷،۲۸)

المتوکل علی اللہ

المتوکل علی اللہ کا عہدِ خلافت ۲۳۲ھ تا ۲۴۶ھ مطابق ۸۴۷ء تا ۸۶۱ء ہے۔
المتوکل علمی حیثیت سے کوئی خاص پایہ نہ رکھتا تھا۔تقلید کا حامی تھا۔شعروسخن سے بھی دلچسپی رکھتا تھا۔واثق کے بعد ۲۷ سال کی عمر میں خلیفہ منتخب ہوا۔

المتوکل مسلک کے اعتبار سے شافعی المسلک تھا اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے بہت زیادہ عقیدت رکھتا تھا۔اکثر یہ کہا کرتا تھا، کہ کاش میں امام شافعی رحمہ اللہ کے زمانہ میں ہوتا۔ان کی زیارت کرتا اوران سے علم حاصل کرتا۔

اخلاقی اعتبار سے بڑا خلیق، متواضع اور منکسر المزاج تھا۔سخاوت اورفیاضی میں اپنے اسلاف کا نمونہ تھا۔

عقیدہ میں نہایت راسخ تھا۔اس کا سب سے عظیم کارنامہ سنتِ نبوی ﷺ کا احیاء اوراحادیثِ رسول ﷺ کی اشاعت ہے اوران تمام عقائد وخیالات کو جو کتاب وسنت کے خلاف تھے،ان کو روک دیا،خاص کر فتنہ خلقِ قرآن اور روئیتِ باری تعالیٰ کو بقوت ختم کردیا۔اس کے اس اقدام سے معتزلہ کا زور ٹوٹ گیا۔

حافظ ابنِ کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ

واثق باللہ کے بعد المتوکل علی اللہ خلیفہ ہوا۔ اس نے ان تمام عقائد وخیالات کو جو کتاب وسنت کے خلاف تھے، بالکل روک دیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو ابتلاء سے نجات دلائی اور ان کے اعزاز واکرام کا فرمان جاری کیا اور یہ اعلان بھی کرا دیا، کہ قرآن مخلوق نہیں ہے۔
اس کی خلافت سے معتزلہ کے زور وقوت کا خاتمہ اور ان کا اثر کم ہو گیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۳۳۵)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ المتوکل کے عہد میں

ڈاکٹر محمد نغش مصری لکھتے ہیں کہ

واثق باللہ کی دفات کے بعد ذی الحجہ ۲۳۲ھ میں متوکل خلافت کے بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں، وہ عقائد میں مامون، معتصم اور واثق کے خلاف ہیں اور قرآن کریم کو مخلوق تسلیم کرنے والوں پر شدید طعن کرتے ہیں، لیکن اس مسئلہ پر مناظرہ کرنے کی کسی کو اجازت نہیں دیتے۔ حدیث کی اشاعت پر کوئی پابندی نہیں لگاتے، بلکہ حدیث کی اشاعت کا خود پرچار کرتے ہیں۔[1]

ان کی مساعی جمیلہ ثمر آور ہوئیں۔ سنت کا باغیچہ پھر بار آور ہوا اور بدعت کی فسوں کاریوں سے دستگاری حاصل ہوئی۔ خلقِ قرآن کے مسئلہ نے فضائے بسیط کو غبار آلود کر دیا تھا۔ انہوں نے تاریکی کے بادلوں کو ملیا میٹ کر دیا۔ اس مسئلہ کی پاداش میں جو

---

[1] تاریخ ملت میں ہے کہ: متوکل نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی اپنا میلانِ طبع احیائے سنت کی طرف ظاہر کیا، مسئلہ خلقِ قرآن پر پابندی اٹھا دی گئی۔ بلکہ محدثین کی ہر قسم کی دلجوئی کی۔ ۲۳۴ھ میں تمام محدثین کو سامرہ مدعو کیا اور جب سب جمع ہو گئے، تو ان کی تواضع ومدارات اُن کے شایانِ شان کی۔ انعام واکرام سے بھی نوازا اور حکم دیا کہ "صفات" و "رویتِ الٰہی" کے متعلق محدثین اپنے وعظوں اور مجلسوں میں بیان کیا کریں، چنانچہ امام ابو بکر بن ابی شیبہ محدث کو جامع رصافہ میں اور ان کے بھائی عثمان کو جامع منصور میں اشاعتِ حدیث پر مقرر کیا، متوکل کے اس اقدام سے لوگ بہت خوش ہوئے اور اس کے حق میں دعائیں ہونے لگیں۔ (تاریخ ملت ج ۲ ص ۳۳۹)

لوگ جیل کی سلاخوں میں بند تھے، انہیں رہا کر دیا گیا اور لوگوں پر عائد شدہ پابندیاں ختم کر دی گئیں۔ مسرتوں خوشیوں کے نغمے الاپے جانے لگے اور قرآن کریم کو مخلوق کہنے والے گروہ کے سرغنہ وزیر محمد بن عبدالملک کو گرفتار کر کے کال کوٹھری میں بند کر دیا گیا، یہاں تک کہ ۲۳۳ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کی وفات کے ۴۷ دن بعد قاضی احمد بن داؤد پر فالج کا حملہ ہوا، تو قضا کے منصب پر اس کے بیٹے ابوالولید محمد بن احمد بن ابی داؤد کو متمکن کیا گیا، لیکن اس کے رہنے سہنے کا طور طریقہ پسندیدہ نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کو ناپسندیدہ شخصیت قرار دینے والوں کی تعداد زیادہ تھی اور اس کے مداحوں کی تعداد نہایت قلیل تھی۔ اس کے حق میں حالات کی ناسازگاری دن بدن زیادہ ہو رہی تھی۔ یہاں تک کہ متوکل کی نظروں میں احمد بن ابی داؤد اور اس کے بیٹے کی کچھ حیثیت باقی نہ رہی، اس کی تمام غیر منقولہ جائداد بحقِ سرکار ضبط کر لی گئی۔ ۲۳۹ھ میں اس کی تجوریوں سے ایک لاکھ بیس ہزار دینار اور جواہرت (جن کی مالیت چالیس ہزار دینار تھی) چھین لئے گئے اور اس کو سامرا سے بغداد کی جانب روانہ کر دیا۔ منصبِ قضاء پر یحییٰ بن اکثم کو بٹھا دیا گیا، جو اہل سنت کے علماء سے شمار ہوتے تھے۔ محرم ۲۴۰ھ میں احمد بن ابی داؤد فوت ہو گیا اور اس کی وفات سے بیس روز قبل اس کا لڑکا محمد فوت ہو گیا اور بشر مریسی تو ان سے بہت پہلے ۲۱۸ھ یا دوسری روایت کے مطابق ۲۱۹ھ میں عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو کر فوت ہوا۔ ان کے علاوہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مخالفین میں سے ابوالعروق جو انہیں کوڑے لگاتا تھا، اس کے بارے میں عمران بن موسیٰ کا بیان ہے، کہ میں نے دیکھا کہ وہ ۴۵ دن کتوں کی طرح بھونکتا رہا۔

متوکل کا عہدِ حکومت، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے لئے مسرتوں اور خوشیوں کا خوش کن پیغام لایا تھا۔ مال و دولت کو ان کے قدموں میں ڈھیر کیا جا رہا تھا۔ انہیں بلند منصب پر متمکن ہونے کی پیش کش ہو رہی تھی۔ خلعت و مرتبت سے نوازا جا رہا تھا۔ رہائش کیلئے آرام دہ خوش نما محلات پیش کئے جا رہے تھے، لیکن وہ ان تمام دنیوی جاہ و

جلال اور مال و منال سے اجتناب کر رہے تھے۔

انہیں نہ تو شاہی محلات میں رہائش کا شوق تھا اور نہ ہی فاخرہ لباس زیب تن کرنے کی کوئی خواہش ان میں موجود تھی اور نہ ہی کام و دہن کی لذتوں سے آشنا ہونے کیلئے مرغن اور لذیذ کھانوں کی طرف ان کی نگاہ اٹھتی تھی۔ وہ تو دنیا اور اس کی زیبائشوں، آرائشوں سے یکسر منہ پھیر چکے تھے۔ ان کے دل و دماغ میں دنیا کی قدر و منزلت پرکاہ کے برابر بھی نہیں تھی۔ ان کی توجہ تو محض آخرت اور اس کی نعمتوں پر لگی ہوئی تھی، جن کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے، کہ ان کو کسی کی آنکھوں نے نہ دیکھا اور نہ ان سے کسی کے کان آشنا ہیں اور نہ کہیں کسی کے وہم و گمان میں آئی ہیں۔ وہ اس قدر مصائب میں الجھے رہنے کے بعد کیسے دنیا کو آخرت پر ترجیح دے سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے، کہ وہ دنیا اور اس کی آلائشوں سے کنارہ کش رہنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن اگر انہوں نے شاہی محلات سے آنے والے عطیات کو قبول کیا ہے، تو صرف اس لئے کہ وہ اس معمولی سی بات سے خلیفہ کو ناراض کرنا مناسب خیال نہیں کرتے تھے۔ اور پھر عطیات قبول کرنے کے بعد صدقہ فرما دیتے تھے۔ اسی طرح جب خلیفہ کی جانب سے ان کی خدمت میں مرغن کھانا بھیجا جاتا تھا، تو اگرچہ ان کو اس کی ضرورت ہوتی تھی، لیکن اس کے باوجود وہ اس سے ایک لقمہ بھی نہ اٹھاتے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان کے دل میں استغنا تھا اور وہ اس کو کسی قیمت پر بھی چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ کہ دراصل وہی لوگ ابدی سعادتوں سے ہمکنار ہوتے ہیں، جن کے دل استغنا کی دولت سے معمور ہوتے ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ کے صاحبزادے عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں، کہ متوکل نے والدِ مکرم کی طرف پیغام بھیجا، کہ میں آپ کے دیدار کا متمنی ہوں اور آپ کی دعاؤں کا تبرک چاہتا ہوں، لہٰذا آپؒ قدم رنجہ فرمائیں۔ چنانچہ ان کی دعوت پر ہم وہاں پہنچے، تو اس نے ہماری رہائش کے لئے اپنے قریب ایک بہترین محل کا انتخاب کیا، جہاں سے ایک باریک کپڑے کی چادر میں سے دیکھ رہا تھا۔ چنانچہ متوکل کے ایک حاشیہ بردار کا بیان ہے، کہ جب امام احمد رحمہ اللہ محل میں وارد ہوئے، تو متوکل نے اپنی والدہ سے کہا، کہ امام احمد رحمہ اللہ کے محل میں داخل ہوتے ہی محل بقعہ نور بن گیا۔ چنانچہ وہ اٹھا اور ان کی خدمت میں فاخرانہ لباس اور درہم پیش کر دیئے، لیکن ان کی نگاہ میں ان چیزوں کی

قدر ومنزلت نہ تھی۔ وہ ان کو دیکھ کر رونے لگے اور فرمایا کہ ۶۰ سال تک تو میں اس ابتلاء سے محفوظ رہا، اب عمر کے آخری حصہ میں اس فتنہ سے دو چار ہونا پڑا ہے۔ وہ فاخرانہ لباس اور درہم پائے استحقار سے ٹھکرا دیتے ہیں اور ان کو ہاتھ تک نہیں لگاتے۔ اس کے بعد متوکل نے ان کی خدمت میں کثیر مال ہدیہ بھیجا۔ پہلے تو انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ کافی ردو کد کے بعد ان کی ناراضگی سے بچتے ہوئے قبول تو کر لیا، لیکن مستحق افراد میں تقسیم کر دیا اور خود ایک پیسہ بھی نہ اٹھایا۔ اس طرح دن بدن امام صاحبؒ کا مرتبہ بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ خلیفہ متوکل ان کے مشورہ کے بغیر کسی کو نہ معزول کرتا اور نہ ہی کسی کو کوئی منصب سونپتا اور زندگی بھر شاذ و نادر کوئی دن ایسا ہوگا، جس دن خلیفہ کسی اہم امر پر مشورہ کے لئے ان کی جانب پیغام نہ بھیجتے۔ (امام احمد بن حنبل کا دور ابتلاص ۲۸ تا ۳۱)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا طرۂ امتیاز

اس عظیم ابتلاء سے جو امام احمد رحمہ اللہ کی ہمت و عزیمت کا غیر معمولی نمونہ ہے، ان کی شہرت و مقبولیت میں بڑا اضافہ ہو گیا۔ امام صاحبؒ کے دوسرے اوصاف و کمالات میں تو اور لوگ بھی شریک و سہیم تھے، لیکن راہِ حق میں یہ ثابت قدمی اور اولوالعزمی انہیں کا طرۂ امتیاز ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

> ''امام احمد رحمہ اللہ کی ذاتِ گرامی صبر و ابتلاء اور استقامت علی الحق کے لئے ضرب المثل ہے۔ تین جابر و قاہر بادشاہوں نے ظلم و استبداد اور غیر معمولی مشکلات و شدائد کے باوجود ان کی استقامت و عزیمت میں فرق نہ آیا اور نہ وہ کتمانِ حق اور اخفائے علم کے مرتکب ہوئے اور نہ رخصتوں اور تقیہ کا سہارا لیا، بلکہ ہر حال میں انہوں نے اپنے آپ کو سنتِ نبوی ﷺ اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے وابستہ رکھا اور دین کی اشاعت اور بدعات کا استیصال کرتے رہے یہ وہ مخصوص فضل و کمال ہے، جس میں امام صاحبؒ کا کوئی معاصر صاحبِ علم ان کا شریک نہیں۔

(مجموعۃ الرسائل ص ۵ بحوالہ تذکرۃ المحدثین ج ا ص ۱۵۹)

باب سوم

تصانیف

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ صاحبِ تصانیفِ کثیرہ تھے۔

آپؒ کی طرف جو تصانیف منسوب ہیں ان کی تفصیل یہ ہے

(۱) کتاب الزہد (۲) کتاب الناسخ و المنسوخ (۳) کتاب المنسک الکبیر (۴) کتاب المنسک الصغیر (۵) کتاب حدیث شعبہ (۶) کتاب فضائل الصحابہ رضی اللہ عنہم (۷) مناقب صدیق اکبر و حسنین رضی اللہ عنہم (۸) کتاب الاشربہ (۹) کتاب التاریخ (۱۰) کتاب التفسیر (۱۱) مسند (۱۲) کتاب المسائل (۱۳) کتاب الفضائل (۱۴) کتاب الایمان (۱۵) کتاب الاعتقاد (۱۶) کتاب مناقب علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب (۱۷) کتاب الورع (۱۸) کتاب الصلوٰۃ (۱۹) کتاب السنۃ (۲۰) کتاب طاعۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (۲۱) کتاب المقدم والموخر فی کتاب اللہ (۲۲) کتاب العلل (۲۳) کتاب الرد علی الجہمیہ (۲۴) کتاب الرد علی من ادعی تناقض القرآن (۲۵) کتاب الرد علی الزنادقہ (۲۶) کتاب الفرائض (۲۷) مسائل صالح (۲۸) مسائل حرب (۲۹) فتاوی احمد بن حنبل رحمہ اللہ

مشہور تصانیف کا تعارف

امام صاحبؒ کی تمام تصانیف طبع نہیں ہوئیں۔ ان کی بہت کم کتابیں طباعت سے آراستہ ہوئی ہیں۔ چند مطبوعہ کتابوں کا تعارف درج ذیل ہے۔

کتاب الصلوٰۃ

اس کتاب میں مسنون اور صحیح طریقہ نماز کی وضاحت کی گئی ہے اور ''متابعتِ امام'' کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ رکوع سجود اور دوسرے ارکان میں امام پر مقتدی کی سبقت کرنے کے متعلق جو ممانعت اور وعیدیں احادیث میں مذکور ہیں، ان کو جمع کر کے ان کی تشریح کی گئی ہے۔[1]

[1] اس کتاب کا اُردو ترجمہ زیر طباعت ہے

یہ کتاب قاہرہ (مصر) اور بمبئی (ہندوستان) سے شائع ہو چکی ہے۔

کتاب الزہد

اس کتاب کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''امام احمد رحمہ اللہ کی یہ کتاب بہت عمدہ ہے، جس کی ترتیب ناموں پر ہے۔''

حافظ ابنِ کثیر بیان کرتے ہیں کہ

''زہد کے موضوع پر متقدمین اور متاخرین علماء میں امام احمد رحمہ اللہ کی ''کتاب الزہد'' کے مقابلہ میں کوئی کتاب بھی اس کے ہم پایہ نہیں۔''

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''یہ کتاب مسند کے ثلث کے بقدر ہے۔ اس کی متعدد احادیث اور آثار مسند احمد میں نہیں ہیں۔''

اس کتاب کا ایک حصہ کتاب الزہد کے نام سے حجاز سے شائع ہو چکا ہے۔ آپؒ کے صاحبزادہ امام عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ نے اس کے زوائد تحریر کیے تھے۔

کتاب السنۃ

اس کتاب میں عقائد سے متعلق بحث کی ہے۔ اس کا مخطوطہ برلن (جرمنی) میں موجود ہے اور غالباً طبع ہو چکی ہے۔ (تذکرۃ المحدثین ج ۱ ص ۱۷۰)

مسند

مسند احمد امام صاحبؒ کی مشہور اور احادیث کی اہم ترین کتاب ہے۔ امام صاحبؒ ۱۶ سال کی عمر میں علم حدیث کی تحصیل میں مشغول ہوئے۔ اور اسی زمانہ میں جمع روایات کی ابتدا کر دی تھی۔ گویا ۱۸۰ھ میں تصنیف کا آغاز کیا اور آخر زندگی تک

اس میں مشغول رہے۔

امام صاحبؒ نے مسند کی ترتیب و تالیف میں غیر معمولی احتیاط سے کام لیا ہے۔ ان کا خود بیان ہے کہ انہوں نے اس کو ساڑھے سات لاکھ سے زائد حدیثوں سے منتخب و مرتب کیا تھا۔

مولانا ضیاء الدین اصلاحی مرحوم لکھتے ہیں کہ

"علمائے فن کا بیان ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے "مسند" کی تدوین میں صحیح احادیث کی تخریج اپنے اوپر لازم کر لی تھی۔"

اور امام صاحبؒ کا اپنا بیان ہے کہ

"میں نے اس کتاب کو لوگوں کے لئے امام و حجت بنایا ہے، تاکہ اختلاف کے وقت وہ اس کی طرف رجوع کر سکیں۔ اگر اس میں ان کو کوئی حدیث مل جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ وہ کسی ایسی حدیث کو صحیح تسلیم نہ کریں، جو اس میں موجود نہ ہو۔"

(تذکرۃ المحدثین ج۱ص ۱۷۲)

"مسند احمد" کا شمار ان اہم اور امہات کتب حدیث میں ہوتا ہے، جن پر ہمیشہ ملتِ اسلامیہ کا اعتماد و امتیاز رہا ہے اور جن سے محدثینِ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ہر زمانہ میں اخذ و استفادہ کیا ہے۔ علمائے اسلام نے اس کو اساسی اور بنیادی کتابوں میں شمار کیا ہے اور اس کتاب کو قابلِ وثوق مرجع قرار دیا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے "مسند احمد" کو دوسرے درجہ کی کتابوں یعنی سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور سنن نسائی کے لگ بھگ اور تیسرے درجہ کی کتابوں سے جس میں عام جوامع و مسانید شامل ہیں اس کو اہم اور ممتاز قرار دیا ہے۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں، کہ "مسند احمد" کی حدیثوں کی نوعیت عام کتب مسانید سے مختلف ہے۔ علمائے اسلام نے مسند کے بارہ میں عام فیصلہ یہ کیا ہے کہ

''کتبِ صحاح بشمول مؤطا امام مالک اور ''مسند احمد'' اصل دارومدار اور اعتماد کی چیزیں اور روز روشن کی طرح نمایاں اور مشہور ہیں۔''

مولانا ضیاء الدین اصلاحی مرحوم' علامہ احمد عبدالرحمان بناساعاتی کے حوالہ سے لکھتے ہیں، کہ امام احمد رحمہ اللہ کا قابل تعریف کارنامہ اور امت پر زبردست احسان یہ ہے، کہ انہوں نے لوگوں کے لئے ''مسند'' جیسی مشہور کتاب کی تخریج کی، جس کی اہمیت کا ہر زمانہ کے محدثین نے اعتراف کیا ہے اور کہا ہے، کہ وہ صحیحین کے بعد تمام کتبِ حدیث میں سب سے زیادہ صحیح حدیثوں کا مجموعہ ہے، ''مسند'' کی خصوصیات میں سب سے اہم اس کی خصوصیت یہ ہے، کہ اس سے بڑا اور ضخیم کوئی مجموعہ حدیث نہیں ہے۔

امامِ حدیث مولانا عبدالرحمان مبارکپوری رحمہ اللہ (م ۱۳۵۳ھ) مقدمہ تحفۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں، کہ اگر کسی کو تمام کتابوں کی جامع کوئی کتاب مطلوب ہو، جس کا مصنف بھی عظیم و برتر ہو، تو اسے ''مسند احمد'' کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۹۰)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں، کہ

''حسن و بیان کے لحاظ سے کوئی کتاب اس کے برابر نہیں۔''

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب کی شہرت و مقبولیت کے بارے میں اپنے صاحبزادہ عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ کو وصیت کی تھی، کہ مستقبل میں اس کتاب کو پیشوائی کا مقام حاصل ہوگا۔ امام صاحبؒ کی یہ بات صحیح ثابت ہوئی۔ حقیقت میں نگاہیں جب اس کتاب کا بغور جائزہ لیتی ہیں، تو کہنا پڑتا ہے، کہ یہ کتاب علمِ حدیث میں جامع ہے۔ (امام احمد بن حنبل کا دور ابتلاء ص ۳۵)

''مسند'' میں تقریباً ۷۰۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات ہیں۔ روایات کی تعداد تین ہزار بتائی گئی ہے اور ان کے صاحبزادہ عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ کی زوائد کا شمار کر کے ۴۰

ہزار تعداد بتائی گئی ہے۔ ''مسند احمد'' کی اشاعت کا آغاز ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء میں قاہرہ (مصر) سے ہوا اور مصر کے ایک جید عالمِ دین علامہ احمد عبدالرحمان النبا ساعاتی نے اس کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا۔ ان کے حواشی و شرح کے ساتھ یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔ کتاب کا نام ''الفتح الربانی'' رکھا ہے اور شرح کا نام ''بلوغ الامانی'' ہے۔

علمائے سلف میں علامہ شیخ سراج الدین عمر بن علی بن ملقن رحمہ اللہ (م ۸۰۵ھ) نے اسی کا مختصر لکھا تھا۔ علامہ حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) نے اس پر ''عقود الزبرجد'' کے نام سے تعلیق لکھی اور علامہ ابوالحسن بن عبدالہادی سندی رحمہ اللہ (م ۱۱۳۸ھ) نے اس کی شرح لکھی ہے۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (م ۷۷۴ھ) نے ''جامع المسانید'' کے نام سے ایک مجموعہ حدیث مرتب کیا۔ اس میں آپؒ نے صحاحِ ستہ، مسند بزار، مسند ابو یعلیٰ، مسند احمد، اور معجم کبیر طبرانی، کی تمام احادیث جمع کر دی ہیں۔ یہ کتاب ۳۸ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

''مسند'' کی ترتیب و تبویب کی طرف دوسرے علمائے کرام نے بھی توجہ کی۔

مشہور اہلحدیث عالم اور محققِ شہیر مولانا ابوالطیب محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ (م ۱۹۸۷ء) لکھتے ہیں کہ

> ''متحدہ ہندوستان کے مشہور اہلحدیث عالم مولانا عبدالحکیم پنجابی نصیر آبادی رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کے ابواب پر پوری مسند کو مرتب کر دیا تھا، لیکن افسوس نااہل ہاتھوں میں آنے کی وجہ سے وہ مخطوطہ ضائع ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔''

انِ کے بعد مصر کے ایک عالم الاستاد عبدالرحمان النبا ساعاتی نے ''مسند'' کی تبویب کر کے مع شرح شائع کرنی شروع کی تھی۔ اس کی ۱۴ جلدیں طبع ہوئی ہیں۔ ان ساری جلدوں میں عبادات کا مکمل حصہ آ گیا ہے۔

علامہ احمد عبدالرحمان البنا ساعاتی کے علاوہ مصر کے محقق اہلحدیث عالم علامہ احمد بن محمد بن شاکر نے بڑی تحقیق وتخریج اور فقہی طریقہ پر مرتبہ فہارس کے ساتھ ساتھ اس کو مرتب کیا ہے اور اس کی بھی ۱۴ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ (حیات امام احمد بن حنبل اردو ص ۲۶۰)

''مسند احمد'' پر بعض ائمہ حدیث (علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ ' حافظ عراقی رحمہ اللہ) نے اعتراضات کیے ہیں، کہ اس میں ضعیف اور موضوع روایات بھی درج ہیں، لیکن علمائے اسلام نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ حافظ ابنِ جوزی رحمہ اللہ کا موضوع قرار دینے کا فیصلہ درست نہیں۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

مسند اور عبداللہ کے زوائد میں کوئی حدیث موضوع نہیں ہے۔
البتہ ابوبکر قطیعی کے زیادات میں موضوع روایتیں ضرور ہیں،
لیکن مسند کا وہ حصہ جو امام احمد رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے،
موضوع روایات سے خالی ہے۔

طاعۃِ الرسول ﷺ

اس کتاب میں امام صاحبؒ نے دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے، کہ اگر کبھی بظاہر کوئی حدیث قرآن پاک کی کسی آیت کے معارض ہو، تو پھر کون سی راہ اختیار کی جائے۔

باب چہارم

فقہ حنبلی

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فقہی مذاہب کے چوتھے امام تھے اور ہر امام کا اپنا فقہی مسلک تھا، چار امام یہ تھے۔

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ (م ۱۵۰ھ)

ان کی عراقی فقہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ جس میں انہوں نے بواسطہ حماد رحمہ اللہ، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے طریقے پر خاص مہارت پیدا کی۔

امام مالک بن انس رحمہ اللہ (م ۱۷۹ھ)

ان کی فقہ، فقہائے سبعہ، یعنی سعید بن المسیب رحمہ اللہ (م ۹۴ھ) قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ (م ۱۰۸ھ) ابوبکر بن عبدالرحمان بن الحارث بن ہشام رحمہ اللہ (م ۹۴ھ) سلیمان بن یسار رحمہ اللہ (م ۱۰۹ھ) اور خارجہ بن زید رحمہ اللہ (م ۱۰۹ھ) سے ماخوذ ہے، جسے انہوں نے امام زہری رحمہ اللہ وغیرہ سے حاصل کیا اور اسی پر اپنے مسلک کی بنیاد رکھی۔

امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ (م ۲۰۴ھ)

آپؒ نے حدیث کی تحصیل باضابطہ امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے کی، بعد میں امام مالک رحمہ اللہ کی فقہ کے ماہر ہوئے اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ سے مل کر فقہ مدنی اور فقہ عراقی کا تقابلی مطالعہ کیا اور اپنی فطانت اور ذہانت سے اس موازنہ کو منقح فرما کر لوگوں کے سامنے اجتہاد و استنباط کے قواعد، منضبط طور پر پیش کیے اور یہی وہ علم اصولِ فقہ ہے، جس کی ضبط و تدوین کا سہرا، امام شافعی رحمہ اللہ کے سر ہے۔

امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)

آپؒ کی فقہ احادیث مرفوعہ، عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیصلے، تابعین و تبع تابعین وائمہ

مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم کے فتاویٰ کی بنیاد ہے۔

کیا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فقیہ اور صاحب مذہب نہیں تھے

امام احمد رحمہ اللہ کے فقیہ اور صاحبِ مذہب ہونے میں بعض علمائے اسلام نے کلام کیا ہے۔ علامہ ابنِ جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں

انما هو رجل حديث لا رجل فقه

وہ صرف محدث ہیں، فقیہ نہیں۔

لیکن دوسرے علمائے اسلام نے ان کو محدث ہونے کے ساتھ فقیہ اور مجتہد تسلیم کیا ہے۔

علامہ ابنِ خلدون رحمہ اللہ اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

قد صار اهل الاسلام اليوم على تقليد هئولاء الائمة الاربعه.

''اب مسلمان ان ہی چاروں اماموں کی تقلید کرتے ہیں۔'' (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۹۱)

علامہ شہرستانی نے مذہبِ حنبلی کو مسلمانوں کے اجتہادی مذہب میں شامل کیا ہے۔ صاحبِ ''کشف الظعون'' تحریر فرماتے ہیں۔

مشہور مذاہب، جن کی صحت مسلّم ہے، چار ہیں اور وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، اور امام احمد رحمہ اللہ کی جانب منسوب ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۱۷۶ھ) محدثین فقہاء کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

''ان لوگوں نے گزشتہ ائمہ فقہ کی تقلید پر اکتفا کرنے کی بجائے جو اصول وقوانین متعین کیے...... ان لوگوں میں غیر معمولی فضل و کمال، فقہی بصیرت اور حدیث اور اس کے مراتب و درجات

سے واقفیت کے لحاظ سے سب سے نمایاں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ
ہیں۔'' (الانصاف ص ۱۳)

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ (م ۱۳۳۲ھ) لکھتے ہیں۔

''خصوصاً امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا تو وہ پایہ ہے، کہ اسلامی دنیا کے بڑے بڑے حصوں میں کے اجتہادی مسائل پر گیارہ سو برس سے آج تک مذہبی قانون بنے ہوئے ہیں۔'' (المامون ص ۱۸۰)

مولانا ضیاء الدین اصلاحی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

''ساتویں صدی'' بلکہ اس سے پہلے اسلامی فقہ و قانون اور اس کی تاریخ و تدوین کے سلسلہ میں امام احمد رحمہ اللہ کا ایک امام فقہ اور صاحب مذہب کی حیثیت سے ذکر ہوتا چلا آرہا ہے۔ اس لئے جس طرح ان کا فقیہ و مجتہد ہونا مسلّم ہے، اسی طرح صاحب مذہب اور امامِ فقہ ہونا بھی بلا ریب ثابت ہے۔ (تذکرۃ المحدثین ج ۱ ص ۱۵۹ھ)

تقلید کی ابتدا کب ہوئی؟

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۱۷۶ھ) نے اپنی بے مثال کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں لکھا ہے کہ

چوتھی صدی ہجری سے پہلے مسلمان کسی خاص مذہب کی تقلید پر جمع نہیں تھے۔ کسی خاص شخص کے آراء و افکار کا قائل ہونا کسی خاص مسلک پر فتویٰ دینا اور اس کے مطابق تفقہ پہلی اور دوسری صدی میں نہیں تھا۔ اس زمانہ میں اس کی پابندی نہیں تھی، البتہ دو صدیوں کے بعد لوگوں میں اس کے اثرات کچھ کچھ ظاہر ہوئے، اس کے باوجود چوتھی صدی ہجری تک جیسا کہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے، لوگ کسی خاص مذہب کی تقلید نہیں کرتے تھے، بلکہ علماء اور عوام کا یہ حال تھا، کہ اجتماعی مسائلِ شرعیہ میں صاحب

شریعت ﷺ کی پیروی کرتے تھے۔اس بارے میں عام مسلمانوں اور جمہور مجتہدین میں کوئی اختلاف نہیں تھا، البتہ وضو، غسل، نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کے طریقوں کو اپنے آباؤ اجداد، یا اپنے شہر کے معلمین سے سیکھتے تھے اور فروعات میں ان کے طریقوں کو اختیار کرتے تھے اور نئے مسائل وحوادث میں بلاتعین حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی جس مفتی و فقیہ سے چاہتے مسئلہ معلوم کر لیتے تھے اور خواص کا حال یہ تھا کہ محدثین احادیثِ رسول ﷺ اور آثارِ صحابہ ﷺ کو لیتے تھے۔ معارض یا اور کسی وجہ سے احادیث و آثار پر عمل نہ کر سکتے، تو بعض متقدمین فقہاء کے کلام پر عمل کرتے، اگر کسی مسئلہ میں دو اقوال ہوتے تو قوی تر قول کو لیتے۔اس میں یہ خیال نہ کرتے کہ یہ قول اہلِ مدینہ یا اہلِ کوفہ کا ہے اور خواص جو علماء اہلِ تخریج تھے، وہ اگر کسی مسئلہ میں تصریح نہ پاتے تو خود تخریج واجتہاد سے کام لیتے۔ یہ حضرات اپنے شیوخ کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ان میں سے کسی کو شافعی اور کسی کو حنفی کہا جاتا تھا۔اسی طرح محدثین بھی اگر کسی امام کی موافقت کرتے، تو اس کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ جیسے امام نسائی اور امام بیہقی رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔اس زمانہ کے مجتہد حضرات فقیہ مانے جاتے تھے اور وہی قضاء اور افتاء کے منصب پر خاص طور پر رکھے جاتے تھے۔

بعد میں دوسرے لوگ پیدا ہوئے جو دین کی راہ مستقیم سے دور ہونے لگے اور دین کی روح سے دوری کی وجہ سے طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہونے لگیں۔ایسے حالات میں مسلمانوں نے خاص خاص مسلک کی تقلید کر لی اور مزید فتنوں میں مبتلا ہونے کے مقابلہ میں کسی ایک مسلک کو اختیار کر لینا بہتر سمجھا۔

فقہ وفتاویٰ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اصول

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ (م ۷۵۱ھ) اپنی کتاب ''اعلام الموقعین عن رب العالمین'' میں فرماتے ہیں، کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی فقہ کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی تھی اور وہ پانچ اصول یہ تھے۔

(۱) نصوص (۲) فتاویٰ صحابہؓ (۳) اختلاف صحابہؓ کا فیصلہ
(۴) حدیثِ مرسل اور حدیثِ ضعیف (۵) قیاس

نصوص

جب کسی مسئلہ میں نص صریح موجود ہو، تو پھر کسی کے اختلاف کی پرواہ نہ کی جائے۔ فقہ حنبلی میں سب سے مقدم چیز یہی ہے، اس میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ دونوں شامل ہیں۔ نص کے ہوتے ہوئے کسی اور چیز کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

فتاویٰ صحابہؓ

فقہ حنبلی کی دوسری اصل صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ ہیں۔ جب انہیں کسی صحابیؓ کا فتویٰ مل جاتا تھا، جس کے مخالف دوسرے صحابیؓ کا قول نہیں ہے، تو اس پر عمل کرتے تھے اور کسی دوسرے کے عمل، رائے، اور قیاس کو نہیں دیکھتے تھے۔

امام صاحبؒ کتاب وسنت کے بعد اقوالِ صحابہؓ کو مقدم رکھتے تھے۔

اختلافِ صحابہؓ کا فیصلہ

اگر کسی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف ہو، تو اس قول کو ترجیح دی جائے گی، جو قول کتاب وسنت کے قریب تر ہو، اگر اس کا اندازہ نہ ہو سکے، تو اختلاف بیان کر دیتے ہیں۔ اور کسی ایک قول کو ترجیح نہیں دیتے ہیں بلکہ خاموشی اختیار کرتے ہیں

حدیثِ مرسل اور حدیثِ ضعیف

فقہ احمد کی چوتھی اصل یہ ہے، کہ وہ حدیثِ مرسل اور حدیثِ ضعیف کو قبول کر لیتے تھے۔ اگر کسی مسئلہ زیر بحث میں کوئی دلیل اس کے خلاف نہ ہو، تو ایسی صورت میں مرسل اور ضعیف حدیث کو قیاس پر ترجیح دیتے تھے۔

قیاس

فقہ احمد کی پانچویں اور آخری اصل ''قیاس'' ہے۔

اگر کسی مسئلہ میں امام احمد رحمہ اللہ کو نص نہ ملتی نہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا قول دستیاب ہوتا اور نہ کوئی مرسل یا ضعیف حدیث ملتی ،تو اس وقت آپؒ قیاس کا سہارا لیتے تھے۔

قیاس کی امام صاحبؒ بوقت ضرورت اجازت دیتے تھے اور ممکن حد تک اس سے پرہیز کا مشورہ دیتے تھے۔

حافظ ابنِ قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے، کہ

آپؒ نے اپنے ایک شاگرد کو تاکید کی۔

ایاک ان تکلم فی مسئلہ لیس لک فیھما اثر

جس مسئلہ میں اثر موجود نہ ہو اس میں بحث و کلام نہ کرو۔

امام احمد رحمہ اللہ قیاس کے منکر نہیں تھے،ان کا قول ہے کہ

''کوئی شخص قیاس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔''

البتہ اہلِ عراق کی طرح قیاس میں زیادہ توسع کے قائل نہیں تھے۔

فقہ حنبلی کی خصوصیات

امام احمد رحمہ اللہ کے بارے میں فقہ میں ان کے علمی تبحر کے سلسلہ میں پروفیسر محمد ابوزہرہ مصری مرحوم نے علامہ علیمی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ

''میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مثیل کوئی اور شخص نہیں دیکھا۔لوگوں نے دریافت کیا کہ وہ کون سی چیز ہے، جس کی بنا پر آپ امام احمد رحمہ اللہ کے نفل کا یوں اعتراف کرتے ہیں۔جواب دیا، کہ وہ ایسا شخص ہے، جس سے ۷۰ ہزار مسائل دریافت کیے گئے تھے اور اس نے اس کا جواب حدثنا اور اخبرنا کہہ کر یعنی حدیث و خبر کی روشنی میں دیا۔ (حیات امام احمد بن حنبل ص ۳۰۲)

فقہ حنبلی کا امتیازی وصف یہ ہے، کہ اس کا دارومدار تمام تر حدیث و روایت اور نقل و اثر پر ہے۔امام صاحبؒ مقدور بھر احادیث سے انحراف اور بے تعلقی پسند نہیں

کرتے تھے۔اس لئے کہ حدیث اور متعلقات حدیث پر ان کا علم وسیع تھا اور آپؒ کے ہاں روایات کا ذخیرہ بہت تھا۔وہ قولِ رسول ﷺ اور صحابہ ؓ کے فتاویٰ پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔پروفیسر ابوزہرہ مصری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

''امام احمد رحمہ اللہ ''فتویٰ اس قول پر دیتے تھے، جو مختلف فیہ نہ ہو۔ مختلف فیہ ہونے کی صورت میں کسی ایک قول کو اختیار کر لیتے تھے اور اگر ترجیح کی کوئی وجہ نہ دیکھتے تو زیرِ بحث مسئلے میں دونوں قولوں کو مان لیتے ،اگر انہیں کسی صحابی ؓ کا فتویٰ نہ ملتا،تو پھر وہ کسی تابعی رحمہ اللہ کی رائے اختیار کر لیتے۔یہ بھی ممکن نہ ہوتا،تو پھر کسی ایسے فقیہ کا قول قبول کر لیتے ، جو علمِ حدیث میں مشہور ہوتا جیسے امام مالک رحمہ اللہ اور امام اوزاعی رحمہ اللہ وغیرہ۔حالانکہ وہ مسائلِ فقہ میں غیر مقلد اور مجتہد تھے۔(حیات امام احمد بن حنبلؒ ص ۳۰۲)

فقہ احمدؒ کا امتیازی پہلو

دین کے معاملات میں بدعت سے دور رہنا، فقہ احمدؒ کا ایک امتیازی پہلو ہے، اس وجہ سے امام احمد رحمہ اللہ نے کبھی کوئی ایسا فتویٰ نہیں دیا، جو واقعہ نفس الامر نہ ہو، یعنی جو بات حقیقتاً واقع نہ ہوئی ہو،اس کے بارے میں وہ فتویٰ نہیں دیتے تھے۔

صرف ضرورت کے وقت وہ فتویٰ دینے کے قائل تھے اور ایسے مسائل میں جو درحقیقت واقع نہ ہوئے ہوں، فتویٰ دینا غیر ضروری سمجھتے تھے، سوا اس صورت کے کہ پہلے سے کوئی حدیث یا کسی صحابی ؓ کا فتویٰ موجود ہو۔

امام احمد رحمہ اللہ کی فقہ میں تقدیری یعنی فرضی مسائل نہیں ملتے۔جس طرح فقہ حنفی اور فقہ شافعی میں ملتے ہیں۔

فقہ حنبلی کے ناقلین

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنے اقوال و فتاویٰ خود منضبط نہیں کیے۔آپؒ کے

فتاویٰ کو آپؒ کے انتقال کے بعد جمع کیا گیا۔

جن حضرات نے آپؒ کے فتاویٰ کو جمع کیا، ان میں درج ذیل حضرات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

ابوبکر خلال رحمہ اللہ

امام احمد رحمہ اللہ کے اقوال و فتاویٰ کے اصل جامع مرتب علامہ ابوبکر احمد بن محمد بن خلال رحمہ اللہ (م ۳۱۱ھ) ہیں۔ انہوں نے ۲۰ سے زیادہ مجلدات میں امام صاحبؒ کے فتاویٰ جمع کیے۔ ان کو امام صاحبؒ سے براہِ راست استفادہ کا موقع نہیں ملا، لیکن حنبلی مذہب میں ان کا مرتبہ و مقام بہت بلند ہے۔

علامہ خلال رحمہ اللہ صرف فقہ حنبلی کے جامع و ناقل ہی نہ تھے، بلکہ اس کے ناشر بھی تھے۔

ابوالقاسم خرقی رحمہ اللہ

علامہ عمر بن حسین خرقی رحمہ اللہ (م ۳۳۴ھ) بھی ائمہ کبارِ حنابلہ میں تھے، انہوں نے علامہ ابوبکر خلال رحمہ اللہ کی تلخیص اور ان میں اضافہ کیا، ان کی کتاب ''المختصر'' حنبلی مذہب کی مشہور اور اہم کتابوں میں سے ہے۔ علمائے اسلام نے اس کی متعدد شروح لکھیں۔ علامہ موفق الدین مقدسی رحمہ اللہ کی شرح المغنی زیادہ مشہور اور اہم ہے۔

غلام الخلال

علامہ ابوبکر عبدالعزیز جعفر رحمہ اللہ (م ۳۶۳ھ) علامہ ابوبکر احمد بن محمد بن خلال رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اس لئے ان کو ''غلام الخلال رحمہ اللہ'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ (شذرات الذہب ج ۳ ص ۴۵)

انہوں نے علامہ ابوبکر خلال رحمہ اللہ کی کتابوں کی تلخیص اور ان میں اضافہ کا

کا م انجام دیا۔ (تذکرۃ المحدثین ج ۱ص ۱۶۳،۱۶۴)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ

حنبلی مذہب کے فروغ اور اس کو پروان چڑھانے میں شیخ الاسلام حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (م ۷۲۸ھ) اور ان کے تلمیذِ رشید حافظ ابنِ قیم رحمہ اللہ (م ۷۵۱) کی خدماتِ جلیلہ قدر کے قابل ہیں۔ان دونوں ائمہ کو مذہبِ حنبلی کا شارح سمجھا جاتا ہے۔

لیکن بعض مسائل میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حافظ ابنِ قیم رحمہ اللہ نے مذاہبِ اربعہ سے اختلاف کیا ہے۔مثلاً

> شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فتویٰ دیا، اگر (ایک مجلس میں) تین طلاقیں دی جائیں، تو وہ حکم میں ایک طلاق کے ہیں۔
> انہوں نے یہ بھی فتویٰ دیا، کہ طلاقِ معلق کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے، وہ ایک بے معنیٰ اور بے نتیجہ لفظ ہے۔علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے فتویٰ دیا، کہ غصہ کی حالت میں جو طلاق دی جائے وہ واقع نہیں ہوتی۔ (حیات امام احمد بن حنبل ص ۴۹۴)

مذہبِ حنبلی کا فروغ واشاعت

مذہبِ حنبلی کے ماننے والوں کی تعداد، پہلے تینوں یعنی مذہبِ حنفی، مالکی اور شافعی کے مقابلہ میں کم رہی۔علامہ ابنِ خلدون رحمہ اللہ اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں، کہ

> ''فقہ حنبلی اجتہاد سے بعید ہے اور اس کا مدار زیادہ تر احادیث و اخبار پر ہے۔اکثر حنابلہ شام اور عراق کے علاقوں میں ہیں، جو احادیث وسنن کی روایت میں سب سے آگے ہیں۔''

پروفیسر ابوزہرہ مصری مرحوم علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ کی رائے کو غلط قرار دیتے

ہیں اوراس مذہب کے قلتِ اتباع کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں، کہ

"واقعہ یہ ہے، کہ اس گہر خیز مذہب کے ذیوع و اشاعتِ عام میں جو چیزیں رکاوٹ ثابت ہوئی ہیں، ان میں ایک یہ بات بھی ہے، کہ فقہ مذاہبِ اربعہ میں اس کا نمبر سب سے آخر میں آتا ہے، ایک اور سبب اس کی عدمِ اشاعت کا یہ ہے، کہ امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے اتباع قربِ سلطانی اور جاہ و منصب سے دور بھاگتے تھے، نہ اس کی تمنا کرتے تھے، نہ اس کے لئے سرگرداں رہتے تھے، نہ اپنے امام کی تقلید میں اسے پسند کرتے تھے، اس لئے کہ امام صاحبؒ کا مسلک یہی تھا، اس کے برعکس اہلِ عراق کے درمیان مذہبِ حنفی اور اندلس مغرب اقصیٰ میں مذہبِ مالکی کے نشر و اشاعت کا راز یہ ہے، کہ ان کے علماء و قضاۃِ مناصب سے گریزاں نہیں رہے، بلکہ ان پر فائز رہے۔ عوام کے درمیان مذہبِ حنبلی کے عدمِ فروغ کا ایک سبب یہ بھی ہے۔ گو اس مذہب کے علماء نے اجتہاد کا سررشتہ کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور اجتہاد کا فریضہ پورے خلوصِ نیت سے انجام دیا۔[1]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا جہاں تک تعلق ہے، وہ قربِ سلطان اور جاہ و منصب سے بیزار تھے۔ انہیں منصب پیش کیا گیا، لیکن انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا، لیکن ان کے تلامذہ نے ان کی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی منصبِ قضا (سرکاری طور پر) قبول کیا۔ امام زفر رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی حیات میں ہی

---

[1] مذہبِ حنبلی کو پروان چڑھانے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے تلامذہ نے نہ صرف ترجیح، تصحیح اور تخریج پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اجتہادِ مطلق کا دروازہ بھی کھول دیا اور ان حضرات نے تاریکی کے دور میں اجتہادِ مطلق کا پرچم بلند رکھا۔ تقلیدِ مطلق کے زمانہ میں وسعتِ نظر اور وسعتِ رائے کا معیار قائم رکھا۔ اس راستہ میں ان کی حیثیت مقدمۃ الجیش کی ہے، انہوں نے اس طرح دنیائے اسلام کو بہت سی نئی جہتیں بھی دیں۔

بصرہ کا منصبِ قضا قبول کرلیا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ ہارون الرشید کے دور میں قضاء کے منصب پر فائز رہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ دولتِ عباسیہ کے قاضی اول تھے۔ لیکن امام احمد رحمہ اللہ نے کوئی منصب قبول نہیں کیا۔ اس طرح ان کے شاگردوں نے اس وضعداری کو پابندی کے ساتھ نبھایا اور کوئی سرکاری منصب ایک عرصہ تک نہیں قبول کیا۔

شیخ الاسلام ابو الوفا علی بن عقیل بغدادی رحمہ اللہ (م ۵۱۳ھ) سے حنابلہ کے بارے میں سوال کیا گیا، کہ دوسرے فقہی مذاہب والوں کے مقابلہ میں حنبلی علماء اپنے مسلک کی ترویج و اشاعت میں کیوں پیچھے رہے۔

شیخ الاسلام ابن عقیل رحمہ اللہ نے جواب میں لکھا، کہ

> حنابلہ متقشف اور سخت ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کا میل جول دوسروں سے کم ہوتا ہے، وہ بڑوں کے یہاں آنے جانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ حقیقت پسندی ان پر غالب ہے۔ آراء کے مقابلہ میں روایات لیتے ہیں۔ تاویل سے بچنے کیلئے ظاہری معنی پر عمل کرتے ہیں۔ ان پر اعمالِ صالحہ کا غلبہ ہے، اس لئے عقلی علوم سے بچتے ہیں۔ فروعات میں ظاہر کو لیتے ہیں، ظاہری آیات و احادیث کو بغیر تاویل کے قبول کرتے ہیں، اس لئے ان پر تشبیہ کا الزام لگایا گیا ہے۔

اس کے بعد ابن عقیل رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

حنبلی مذہب نے خود حنابلہ پر ظلم کیا ہے۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور شافعی رحمہ اللہ کے تلامذہ نے قضاء وغیرہ کا عہدہ سنبھالا۔ جس کی وجہ سے ان کو علمی مشغلہ اور درس و تدریس کے مواقع ہاتھ آئے، مگر امام احمد رحمہ اللہ کے تلامذہ میں شاید ہی کوئی ایسا ہے، جس نے علم حاصل کر کے عوام اور حکومت کے کاموں میں دلچسپی لی ہو۔ اس لئے ان کا علمی سلسلہ

بہت کم جاری رہ سکا اور اس کے علاوہ امام احمد رحمہ اللہ کے تلامذہ کے جوان کے طبقہ پر فقہ کا غلبہ رہا اور مشائخ پر زہد و تقویٰ غالب رہا۔

ایک اور سبب

عوام کے درمیان مذہب حنبلی کے عدمِ فروغ و اشاعت کا ایک بہت بڑا سبب یہ بھی ہے، کہ امام احمد رحمہ اللہ کو اپنی زندگی میں ان کے اور متبعین کو ان کی وفات کے بعد جس قسم کے حوادث و مصائب سے دوچار ہونا پڑا، اس کے ردِ عمل کے طور پر تعصب پیدا ہو گیا اور انہوں نے نہایت سخت قسم کے تعصب کا مظاہرہ شروع کر دیا۔ تعصب کی یہ فضا امام احمد رحمہ اللہ کے آخری دورِ حیات میں شروع ہو گئی تھی، لیکن ان کی وفات کے بعد تو یہ بہت بڑھ گئی۔

بغداد اور عراق میں حضراتِ حنابلہ کے اس تعصب نے بڑی نازک صورت پیدا کر دی۔ مناقشہ اور تنازع کا موضوع ''خلقِ قرآن'' کا مسئلہ تھا۔ حنبلی عوام نے اس موضوع پر واقفیت کے بغیر جھگڑنا شروع کر دیا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی، کہ جو شخص قرآن کے غیر مخلوق ہونے کا قائل ہو، اس کی بات قبول کر لی، اگر کوئی شخص اس مسئلہ پر تردد کا اظہار کرے، گو تحقیق کی غرض سے کیوں نہ ہو، تو اس کی بات رد اور نا قابلِ قبول۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ کی شہادت

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے بھی مذہب حنبلی کے عدم ذیوع و اشاعت کا سبب عوام پر ان کی سختی کو قرار دیا ہے۔ وہ اپنی تاریخ ''الکامل'' میں لکھتے ہیں کہ

> اس زمانہ میں بغداد میں حنابلہ کو بڑی شوکت حاصل ہوئی۔ یہ لوگ امراء کے مکانوں پر دھاوا بول دیتے تھے اور نبیذ وغیرہ پاتے تو اس کو گرا دیتے تھے۔ اگر کوئی مغنیہ نظر آتی، تو اس کی مار پیٹ کرتے اور سامانِ لہو و لعب کو توڑ پھوڑ کر پھینک دیتے تھے۔ منکرات پر اتنی شدت اختیار کرتے تھے، کہ اہلِ بغداد پریشان

ہو گئے۔ شافعیہ کو بہت زیادہ تنگ کرتے۔ اگر کوئی شافعی راستہ میں مل جاتا، تو اس کی خوب ٹھکائی کرتے تھے۔ ان کی اس قدر سختی اور ظلم و ستم کی وجہ سے حکومت کو یہ اعلان کرنا پڑا، کہ دو حنبلی ایک جگہ جمع نہ ہوں اور نہ اپنے مسلک کے بارے میں گفتگو کریں۔

موجودہ دور میں مذاہب اربعہ کے پیرو

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری مرحوم مشہور مصری محقق علامہ احمد تیمور کی کتاب ''نضرۃ تاریخیہ فی حدوث المذاہب الاربعہ و انتشارہا'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں، کہ ان چاروں مذاہب کے ماننے والے کہاں کہاں ہیں

''مغربِ اقصیٰ، تیونس، الجزائر اور کئی افریقی ممالک میں مالکی مسلک غالب ہے۔ ان ممالک میں ترکی نسل سے تعلق رکھنے والے احناف بھی ہیں اور سلاطینِ ترکی کے زمانہ سے آباد ہیں، اس لئے قلت کے باوجود حنفیت کو عروج حاصل ہے۔ مصر میں شافعی اور مالکی مسلک راجح ہے۔ صعید اور سوڈان میں بھی مالکیہ ہیں۔ احناف بھی بکثرت ہیں، مصری حکومت کا مذہب حنفی ہے۔ کچھ حنابلہ بھی ہیں۔ شام کے مسلمان آدھے حنفی، ایک چوتھائی شافعی اور ایک چوتھائی حنبلی ہیں۔ فلسطین میں شوافع کا غلبہ ہے۔ مالکی اور حنفی بھی ہیں۔ عراق میں حنفی مسلک کو عروج ہے،[1] شافعی، مالکی اور حنبلی بھی ہیں۔ ترکی، البانیہ اور بلقان میں احناف کو غلبہ حاصل ہے، کردستان اور آرمینیہ پر شوافع کا اثر و رسوخ ہے۔ فارس کے اہلِ سنت میں شوافع زیادہ ہیں۔ کچھ احناف بھی ہیں،[2] افغانستان میں احناف کو غلبہ حاصل ہے۔ کچھ شافعی اور حنبلی بھی

---

[1] عراق کی موجودہ آبادی تقریباً دو کروڑ چالیس لاکھ ہے، مسلمان ۹۷ فی صد ہیں، جن میں شیعہ ۶۰ فیصد اور سنی ۳۷ فیصد، عیسائی اور دیگر ۳ فیصد ہیں۔ (ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور، عراق نمبر ص ۷)

[2] شیعہ کی آبادی بہت زیادہ ہے اور سرکاری مذہب شیعہ ہے

ہیں۔ترکستان غربی میں خیوہ (خوارزم) بخارا، تاشقند، ترکمانیہ، قزغیریہ، قزاقستان اور آذر بائیجان وغیرہ میں حنفی اور ترکستان مشرقی (سنکیانگ) میں بھی حنفی ہیں۔ ساتھ ہی کچھ حنبلی ہیں۔

بلاد قوقاز میں احناف کو غلبہ حاصل ہے۔ کچھ شوافع بھی ہیں۔

ہندوستان میں قدیم زمانہ میں شوافع آباد تھے، سندھ میں ان کی اکثریت تھی، مغربی سواحل پر قدیم زمانہ سے عربی النسل مسلمان آباد تھے، ان کا مسلک شافعی تھا۔ کوکن، مالا بار اور مدراس میں اب بھی شوافع آباد ہیں۔ اس زمانہ میں ہندوستان میں بشمولیت پاکستان و بنگلہ دیش حنفی مسلک رائج ہے۔

جزیرہ مالدیپ کی آبادی دو لاکھ کے قریب ہے اور تمام آبادی مسلمان ہے اور سب کے سب شافعی ہیں۔ یہاں پہلے مالکی مذہب رائج تھا۔ سیلون (سری لنکا) جاوا، سماٹرا، جزائر شرق الھند اور جزائر فلپائن میں شوافع زیادہ ہیں۔ سیام (تھائی لینڈ) کے مسلمان زیادہ تر شافعی ہیں۔ کچھ حنفی بھی ہیں چند چینی اور اسٹریلیا کے مسلمان زیادہ تر شافعی ہیں۔ امریکہ کے علاوہ برازیل میں جو مسلمان آباد ہیں، ان میں اکثریت حنفی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اور امریکہ کے دوسرے علاقوں میں جو مسلمان آباد ہیں، وہ مختلف مسلک کے پیرو ہیں۔

حجاز (سعودی عرب) میں شافعی، حنبلی اور احناف بھی ہیں، اکثریت حنبلی ہیں، اہلِ عسیر شافعی ہیں، نیز عدن، یمن، حضر موت کے مسلمان شافعی ہیں، عدن میں احناف بھی ہیں، عمان پر فرقہ اباضیہ (خوارج) کا غلبہ ہے، وہاں حنبلی اور شافعی بھی ہیں، قطر اور

بحرین میں مالکی مسلک عام ہے، نیز وہاں نجد کے حنابلہ بھی ہیں،
احسار میں حنبلی اور مالکی غالب ہیں، کویت پر مالکیہ کا اثر زیادہ
ہے۔ (سیرت ائمہ اربعہ ص ۲۹۔۳۰)

مذہبِ حنبلی کے ماضی کی تلافی ہوگئی

ماضی میں یہ مذہبِ جلیل قلتِ اتباع کے باعث زیادہ پھیل نہ سکا، لیکن اللہ تعالیٰ نے عہدِ حاضر میں تلافی فرمادی۔ بلادِ حجاز (سعودی عرب) کی حکومت کا وہ سرکاری مذہب ہے، تمام قضایا اور عبادت کا فیصلہ اسی کے احکام کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گزشتہ محرومی کا بڑا صلہ ہے۔ بلادِ حجاز (سعودی عرب) میں تمام معاملات و مسائل شریعتِ اسلامیہ کے مطابق نافذ ہوتے ہیں۔ شریعت کے فیصلے صرف خانگی اور ذاتی معاملات میں صادر نہیں ہوتے، بلکہ حدود و قصاص کے معاملات میں بھی پورے طور پر عمل کیا جاتا ہے۔ وہاں شرعی حدود قائم ہیں اور شعائرِ اسلامی میں نمایاں ہیں۔ مالی معاملات میں متعلقہ مسائل بھی شریعتِ مطہرہ کی ماتحتی میں طے ہوتے ہیں اور یہ تمام احکام اس مذہبِ جلیل کی فقہ سے حاصل کیے جاتے ہیں، وہاں ربا ہر صورت اور ہر شکل خواہ قلیل ہو یا کثیر حرام ہے۔ اس میں نہ چالاکی کام آتی ہے نہ حکمتِ عملی، ظاہر و باطن ہر طرح سے ربا کا دروازہ بند کردیا گیا ہے۔

وہاں صدقاتِ اسلامیہ حاصل کیے جاتے ہیں، مال کی زکوٰۃ جمع کی جاسکتی ہے۔ خواہ وہ کھیتی باڑی کی ہو، یا جانوروں کی، تجارت، یا نقد روپے کی، یہی وجہ ہے، کہ وہاں کی شرعی حکومت مضبوط و مستحکم بنیادوں پر قائم ہے۔ اس کے ارکان مستحکم ہیں، ہر کونہ اور ہر گوشہ میں لوگ پکار پکار کر کہتے ہیں، کہ یہ سب سے بہتر شریعت اور نظام ہے۔ جو اللہ کی طرف سے لوگوں کے پاس بھیجا گیا ہے۔ کیفیت یہ ہے، کہ لوگ جب مذہب اور متمدن ملکوں میں قدم رکھتے ہیں، تو نہ ان کی جان محفوظ ہوتی ہے نہ مال۔ لیکن اس نظامِ شرعی کی بدولت صحرائے عرب میں حالت یہ ہے، کہ اگر کسی کی چیز گم ہوجائے، تو وہ اسے

واپس مل جاتی ہے۔ ایک آدھ روز سے زیادہ گم شدہ رہ ہی نہیں سکتی۔

حکومت سعودی کے ان کوائف کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں، کہ بلادِ عرب' مدنیت فاضلہ سے قریب ترین ہے، کیونکہ ان میں رفاہیت کے باوجود اجتماعی برائیاں کم ہیں۔

موجودہ دنیا کی دوسری قوموں کی نسبت ان کے اخلاق عمدہ ہیں اور ان کا راستہ سیدھا اور صاف ہے۔ وہاں نیکی کی فراوانی ہے۔ فحش کاری اور غلبہ شہوانی کا وہاں کہیں نام و نشان بھی نہیں۔

حنبلی مذہب، حرمین شریفین اور تمام حجاز تک نجدیوں نے پہنچایا ہے۔ جب انہوں نے حکومت شریف حسین کے ہاتھوں سے چھینی اور اہلِ حجاز نے ایک عرصہ کی جہالت و ناواقفیت کے بعد احکام دین سے شناسائی حاصل کی۔ یہ مذہب آل سعود کا مذہب ہے، جو نجد کے فرمانروا تھے؛ پھر عنانِ حکومت عبدالعزیز آل سعود کے ہاتھ میں آئی اور وہ سارے حجاز کا فرمانروا بن گیا۔ اب نجدیوں ہی کو بیت الحرم کی دربانی کا شرف حاصل ہے۔ انہی کے ساتھ ساتھ مذہب حنبلی بھی نجد سے حجاز پہنچ گیا۔

یہ نجدی لوگ مذہب حنبلی سے وابستہ ہیں، ان کو وہابی بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ حنبلی عقائد ان میں امام محمد بن عبدالوہابؒ کے ذریعے سے پھیلے ہیں، جو بارہویں صدی ہجری میں نمودار ہوئے تھے اور وہ عقائد اور فقہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے شدید طور پر متاثر تھے اور اس میں شبہ نہیں کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ عقائد میں جمہور مسلمین کے ہم نوا ہیں، وہ توسل اور وسیلہ کے قائل نہیں۔ وہ تقرب بالموتی سے سخت روکتے ہیں۔ گو یہ وفات پائے ہوئے بزرگ اپنی زندگی میں کیسے ہی اہل صلاح و تقوی کیوں نہ رہے ہوں اور فقہیات میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مسلک امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب پر ہے۔ گو واقعہ یہ ہے، کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ بعض مسائل میں مذہب حنبلی

---

1. سلطان عبدالعزیز کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزدگان عالی مقام سلطان سعود، شاہ فیصل، شاہ خالد شاہ فہد اور اب شاہ عبداللہ حفظہ اللہ تعالیٰ اپنے والد کے نقش قدم پر ہیں۔ (عراقی)

سے منفرد ہیں، جن میں وہ اپنی رائے اور بصیرت کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور ان میں وہ کسی کے مقلد نہیں ہیں، صرف کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ ہی کی پیروی کرتے ہیں۔

نجدیوں میں شدت وتعصب کا وہی عالم تھا، جو چوتھی صدی ہجری میں عامہ حنابلہ میں پایا جاتا تھا۔ لہٰذا جب یہ پہلے پہل حکمران کی حیثیت سے حجاز پہنچے اور خدمتِ بیت الحرام کے منصب پر فائز ہوئے، تو کبھی کبھی ان سے تشدد اور تعصب کی حرکتیں ظہور پذیر ہوئیں۔ ملک عبدالعزیز فرمانروائے نجد وحجاز کی فراست و معاملہ فہمی اور مسلسل محنت سے اب نجدیوں کی حدت اور شدت کم ہوگئی اور ان کے اوصاف میں تقویٰ کے ساتھ ساتھ حسن معاملہ اور لطف ومحبت بھی جمع ہو گئے ہیں۔

سلطان عبدالعزیز رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادگان عالی مقام، سلطان سعود رحمہ اللہ، شاہ فیصل شہیدؒ، شاہ خالد رحمہ اللہ شاہ فہد رحمہ اللہ اور اب شاہ عبداللہ حفظہ اللہ تعالیٰ اپنے والد کے نقشِ قدم پر ہیں۔

واللہ تعالیٰ ولی المومنین، فالحمد للہ علی ذلک

نوٹ: اس باب میں پروفیسر ابوزہرہ مصری رحمہ اللہ کی کتاب ''حیات امام احمد بن حنبلؒ'' جس کا ترجمہ سید رئیس احمد جعفری مرحوم نے کیا اور حواشی وتعلیقات مولانا محمد عطاء اللہ حنیف مرحوم نے لکھے۔ بڑی عمدہ کتاب ہے۔ راقم نے اس سے بہت استفادہ کیا ہے۔
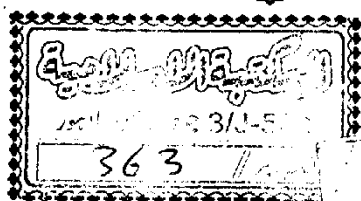
دنیا کو نورِ ایمانی سے منور کرنے والے

جب کتاب و سنت کے دامن کو چھوڑ کر خود اندھیروں میں ڈوب گئے ......

تو اُس عظمتِ رفتہ کو واپس لانے والے اور صدیوں کی تاریکیوں اور گمراہیوں میں

حق کے چراغ جلانے والے اُن عظیم لوگوں کی داستانِ حیات پڑھئے

اور اپنے ایمان کو تازگی بخشئے
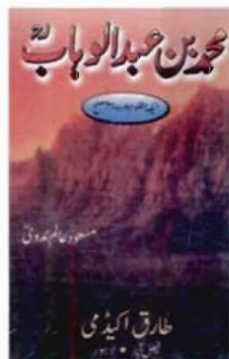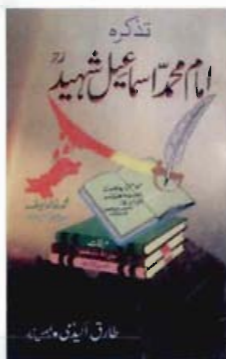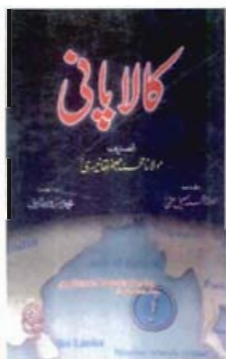
علم و عمل اور فکر و شعور کو جلا بخشنے والی کتابوں کی فہرست طلب کیجئے۔

Printers & Publishers

TARIQ ACADEMY

D-GROUND, FAISALABAD-PAKISTAN.
TEL: 041-8546364, 8715768,
E-mail: ilmoagahi74@yahoo.com
website: www.ilmoagahi.com